

ماہنامہ حیات

بنارس

شمارہ ۱۰/	شوال المکرم ۱۴۳۰ھ	اکتوبر ۲۰۰۹ء	جلد ۲۷/
-----------	-------------------	--------------	---------

مدیر	اس شمارہ میں
عبدالوہاب حجازی	۱- درس قرآن
پتہ	۲- درس حدیث
دار التالیف والترجمہ	۳- افتتاحیہ
بی ۱۸/ جی، ریوڑی تالاب	۴- کتابوں کی دنیا
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰	۵- اعمال صالحہ پر مدامت
بدل اشتراک	۶- حج کے سلسلے میں عورتوں کے.....
سالانہ ۱۲۰/ روپے	۷- عشرہ ذوالحجہ کے فضائل و اعمال
فی پرچہ ۱۲/ روپے	۸- آہ! استاذ محترم مولانا محمد عابد رحمانی ..
○	۹- سرزمین دوآبہ میں وہابی تحریک.....
اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب	۱۰- جامعہ سلفیہ بنارس کی ایک اہم میٹنگ
ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم	۱۱- باب الفتاویٰ
ہو چکی ہے۔	نور الہدی عین الحق سلفی

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

انسان کی برتری کا معیار اس کا عمل و اخلاق ہے

عبداللہ سعود بن عبدالوہید

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتِّقَاكُمْ، إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (حجرات: ۱۳)

اے لوگو! بیشک ہم نے ہی تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو کنبے اور قبیلے میں بنایا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، بیشک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے انسان کے اندر بہت سی خرابیوں اور کمزوریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کو پیشہ و حرفت کے اعتبار سے، حسب و نسب کے اعتبار سے یا دولت و ثروت کے لحاظ سے بعض بعض سے بہتر سمجھتا ہے اور گھمنڈ و غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور یہ بھول جاتا ہے کہ ہم تمام انسانوں کی فطرت ایک ہے، سب کا نسب ایک ہے اور سب ایک ہی مرد و عورت کی نسل سے ہیں۔

یہ قبیلے و کنبے و خاندان میں تقسیم اللہ کے نظام سے ہے، اس کو ہم نے نہیں بنایا ہے اور نہ ہمارے اختیار میں ہے، پھر اس پر فخر و گھمنڈ کیسا؟ غیر اختیاری چیز کو معیار نہیں بنایا جاسکتا، ہاں اگر معیار کوئی چیز ہے تو وہ ہمارا اخلاق، ہمارا عمل، اور ہمارا کردار ہے جو ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم کون سا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ بہتر راہ پر چلنے والا بہتر اور خراب راہ پر چلنے والا بدتر ہوگا۔

اللہ کے نبی محمد ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورت و دولت کو نہیں بلکہ وہ تو تمہارے دل اور عمل کو دیکھتا ہے۔ اہل عرب اور مکہ والے حسب و نسب کی بنیاد پر فخر کیا کرتے تھے، خصوصاً قریش والے اپنے کو دوسروں سے برتر خیال کرتے تھے۔ اللہ کے نبی محمد ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کے دروازہ سے جو خطبہ دیا تھا اس میں آپ نے قریش کو آواز دے کر کہا تھا: ”یا معشر قریش إن الله قد أذهب عنكم نخوة الجاهلية وتعظمها بالآباء، الناس من آدم و آدم خلق من تراب ثم تلا هذه الآية: يا أيها الناس“

اے قریش کے خاندان والو آج اللہ نے تم سے جاہلی غرور اور آباء و اجداد کے نام پر تمہارے فخر کو ختم کر دیا، بن لو پوری انسانیت آدم سے ہے اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، اس کے بعد مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی کہ اب برتری کی بنیاد یہ ہے کہ اے انسانو! تم میں سب سے زیادہ متقی اور اللہ سے ڈرنے والا کون ہے۔

آج بہت سے لوگ نسب و حرفت کی بنیاد پر ایک دوسرے میں فرق کرتے ہیں کہ ہم انصاری ہیں، وہ پٹھان ہے، فلاں نائی ہے، فلاں بنیہ ہے وغیرہ وغیرہ، ان سب باتوں کو اللہ کے نبی نے فتح مکہ پر ختم کر دیا، مسلمانوں کو اس تفریق کو ختم کر دینا چاہئے تاکہ سب مل کر آپس میں بھائی بھائی کی طرح رہیں، اخوت اسلامی کی آج سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بنیاد کو مضبوط کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔

علم شرعی اور اخلاص نیت

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: من تعلم علما مما يبتغي به وجه الله، لا يتعلمه إلا ليصيب به عرضا من الدنيا، لم يجد عرف الجنة يوم القيامة، يعني: ريحها. رواه أحمد، وأبو داود، وابن ماجه.

(مشكاة ج ۱، ص ۳۵)

قال في المرعاة: وسكت عنه أبو داود، والمنذري، وأخرجه أيضا ابن حبان في صحيحه، والحاكم وقال: صحيح سند، وأقره الذهبي. (مرعاة ج ۱، ص ۳۲۷)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جس انسان نے ایسا علم سیکھا جس سے اللہ پاک کی رضا مندی طلب کی جاتی ہے، اس نے یہ علم (شریف) صرف دنیاوی منفعت کے لئے حاصل کیا ہو، تو ایسا (بد نصیب) قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ (احمد، ابو داود، ابن ماجہ، حدیث صحیح)

تشریح: جملہ شرعی امور اور عبادتوں کی صحت اور قبولیت کا دار و مدار نیت صالحہ اور اخلاص پر ہے، اسی وجہ سے شریعت میں کہیں ﴿مخلصین﴾ لہ الدین - البینۃ: ۵ اور کہیں ”إنما الأعمال بالنیات - متفق علیہ“ جیسے عمومی حکم وارد ہوئے ہیں کہ: اہل کتاب کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں۔ (میرٹھیؒ) اور یہ کہ جملہ اعمال صالحہ کا دار و مدار نیت پر ہے۔ (بخاری و مسلم)

اور کہیں مخصوص اعمال صالحہ کا تذکرہ کر کے ان میں نیک نیتی اور اخلاص اپنانے کی تلقین کی گئی ہے، اور اس کے برخلاف کی صورت میں وہ سب اچھے کام جہنم میں لے جانے والے بتلائے گئے ہیں، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی مشہور روایت میں ہے کہ: قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں کا فیصلہ سب سے پہلے ہوگا، شہید، عالم دین، اور مالدار سخی انسان، یہ تینوں عظیم تر قربانی دینے والے محض ریا و نمود اور اخلاص نیت نہ ہونے کے سبب ذلت و خواری کے ساتھ چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے: ورجل تعلم العلم وعلمه وقرأ القرآن، لكنك تعلمت العلم ليقال: إنك عالم،، ثم أمر به فسحب على وجهه حتى ألقي في النار، رواه مسلم. (مشكاة ج ۱، ص ۳۳)

حدیث پاک میں علم شرعی کے حصول کے سلسلے میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی فرد کو اس سے صرف جاہ و منفعت اور دنیاوی شئی ہی مطلوب رہی ہے تو وہ بد نصیب جنت کی خوشبو سے محروم رکھا جائے گا۔

البتہ اگر بنیادی نیت رضا الہی رہی ہو اور ضمنی طور پر جائز متاع دنیا کی طلب ہو تو اس کی وعید حدیث پاک میں نہیں ہے، اور اس بات کی تائید حج سے متعلق آیات سے بھی ہوتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلا من ربكم - البقرة: ۱۹۸﴾ یعنی ”تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں“۔ (جونا گڈھیؒ)

محشی صاحب فرماتے ہیں: ”فضل سے مراد تجارت اور کاروبار ہے، یعنی سفر حج میں تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں“۔ رب العالمین! ہمیں جملہ عبادات میں اخلاص و نیک نیتی کی توفیق دے اور خصوصاً علم دین کے حصول اور اس کی نشر و اشاعت میں، آمین۔

افتتاحیہ

اسلام آسان اور روشن دین ہے

اس کا اعلان اس دین کو انسانوں کی سعادت کے لئے پسند کرنے والے اللہ نے کیا ہے اور اس کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ نے بھی، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ، وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ“ [آل عمران: ۱۵۹]

اللہ کی رحمت کے باعث تم ان پر نرم دل ہو اور اگر تم بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب تمہارے پاس سے چھٹ جاتے۔ اور فرمایا: ”يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ، وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ“ [البقرة: ۱۸۵] اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا۔

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”انما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين“ تم لوگ آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے، سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”بعثت بالخيفية السمحة“ میں دین تو حید آسان ملت ابراہیم کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، یعنی جس دین میں اللہ واحد کے شعائر کو اہمیت دی گئی ہے اور شرک کے شعائر کو ختم کیا گیا ہے، راہبوں کی مبتدعانہ عبادات کی طرح اسلام کی عبادات پر مشقت نہیں بلکہ آسان ہیں، اسلام میں ہر عذر کے لئے شرعی رخصت ہے، آدمی طاقت ور ہو یا کمزور محنت و مشقت کرنے والا ہو یا آسودہ حال ہر ایک کے لئے اس دین پر عمل کرنا آسان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لقد تركتكم على المحجة البيضاء ليلها كنهارها“ میں نے تم لوگوں کو ”روشن شاہراہ“ پر چھوڑا ہے جس کی رات اس کے دن جیسی روشن ہے، اس کی تمام تعلیمات ان کی حکمتیں اور مصلحتیں بالکل واضح اور روشن روشن ہیں، یہاں منفی باطنیت اور پراسراریت کا کوئی گز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے دین کو آسان بنانے کے طریقے اختیار فرمائے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ”حجتہ اللہ البالغہ“ میں اس کے چودہ طریقوں کا ذکر کیا ہے، ذیل میں جن کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱- کسی اطاعت کے کام کے لئے کسی ایسی چیز کو رکن یا شرط نہ بنایا جائے جو لوگوں کے لئے دشوار ہو، اس کی اصل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ”لو لا أن اشق على امتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة“ اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت لوگوں کو مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

۲- اطاعت کے کچھ کاموں کو رسوم کا درجہ دیا جائے جن پر لوگ فخر کریں جو ان چیزوں میں داخل ہو جنہیں لوگ دلی جذب و شوق سے انجام دیا کرتے تھے، جیسے عیدین اور جمعہ مدینہ میں لوگ سال میں دو دن کھیل کود اور جشن و مسرت کے لئے خاص کئے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کے بدلے اللہ نے تمہارے لئے ان سے بہتر دو دن عید الفطر اور عید الاضحیٰ عطا فرمادئے ہیں اور اسی معنی میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ: ”ليعلم اليهود أن في ديننا فسحة“ تاکہ یہود جان لیں کہ ہمارے دین میں کشادگی ہے۔ یہ آپ ﷺ

نے اس وقت فرمایا تھا جب مسجد نبوی کے صحن میں بہادری کے کھیل کھیلنے والے کچھ حبشیوں کو عمر رضی اللہ عنہ نے روکنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا مت روکو!۔ بڑے اجتماعات اور میلوں میں شان و شوکت کا اظہار اور قابل فخر کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ انسانی طبیعت میں داخل ہے۔ اس لئے اسلام نے انسانی طبیعت اور میلان کا لحاظ کرتے ہوئے، عیدین اور جمعہ وغیرہ کو رسوم کا درجہ عطا کیا۔

۳۔ اطاعت کے کاموں میں ایسے طریقے رائج کئے جائیں جن کی لوگوں میں طبعی رغبت ہو، تاکہ عقل کے ساتھ طبیعت کا تقاضا یکساں ہو جائے، اور دونوں رغبتیں ایک دوسرے کی معاون بن جائیں، اسی لئے مسجدوں میں خوشبو بسانا اور انہیں صاف ستھرا رکھنا مسنون کیا گیا، اور جمعہ کے روز غسل کرنا اور خوشبو لگانا بھی، اور قرآن کی تلاوت خوش الحانی سے کرنے، اور اذان دل پسند آواز میں دینے کو مستحب قرار دیا گیا۔

۴۔ جو چیزیں لوگوں پر بوجھ اور گراں ہوں اور جن سے ان کی طبیعت متنفر ہو اس سے لوگوں کو ہلکا کیا جائے، اسی لئے غلام، دیہاتی اور مجہول نسب والے شخص کی امامت کو ناپسند کیا گیا ہے، قوم کے لوگ اس قسم کے لوگوں کی اقتداء سے کتراتے ہیں۔

۵۔ اکثر لوگوں کی طبیعت جس چیز کو چاہتی ہو اسے باقی رکھا جائے، یا اس کے چھوڑ دینے سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرتے ہوں، جیسے حاکم نماز کی امامت کا زیادہ حق دار ہے، اور گھر کا مالک بھی امامت نماز کا زیادہ حق دار ہے، اور جو شخص نئی عورت سے نکاح کرے تو کنواری کے پاس سات دن اور بیوہ کے پاس تین دن رہے، پھر دیگر بیویوں میں باری تقسیم کرے۔

۶۔ علم کی تعلیم اور نصیحت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو سنت بنایا جائے تاکہ اس سے لوگوں کے دلوں کے برتن بھر جائیں، اور وہ بلا مشقت احکام شریعت کے تابع دار ہو جائیں اور رسول اللہ ﷺ نامہ کر کے لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے۔

۷۔ نبی ﷺ ایسے کام خود کریں جن کا آپ لوگوں کو حکم دیتے ہیں یا جن کی رخصت اور سہولت آپ ﷺ لوگوں کو دیتے ہیں، تاکہ آپ کے کام سے لوگ عبرت پکڑیں اور آپ کا طریقہ پنائیں۔

۸۔ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ قوم کو مہذب اور کامل بنائے۔

۹۔ رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے لوگوں کے رب کی جانب سے ان پر سکنت نازل کی جائے تو لوگ آپ ﷺ کے سامنے ایسے ہو جائیں جیسے کسی کے سر پر پرندہ بیٹھا ہو۔

۱۰۔ ناحق چاہنے والے کو مایوس کر کے ذلیل کیا جائے جیسے: قاتل وارث نہیں ہو سکتا، طلاق پر مجبور کئے گئے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی، اس سے مقصد حاصل نہ ہونے پر مجبور کرنے والوں کو لگام لگ سکتی ہے۔

۱۱۔ جس کام میں لوگوں کو دشواری ہو اسے تھوڑا تھوڑا شروع کیا جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اسی کے متعلق قول ہے کہ: شروع شروع میں قرآن کی چھوٹی چھوٹی مفصل سورتیں اتاری گئیں جن میں جنت و جہنم کا ذکر ہے، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف پھر آئے تو حلال و حرام اتر آ اور اگر ابتداء ہی میں اتارا جاتا کہ: شراب نہ پیو تو لوگ یہی کہتے: ہم شراب کبھی نہیں چھوڑیں گے اور اگر ابتداء ہی میں اتارا جاتا کہ: زنا نہ کرو تو لوگ یہی کہتے: ہم زنا کبھی نہیں چھوڑیں گے۔

۱۲۔ نبی ﷺ ایسا کام نہ کریں جس سے لوگوں کے دلوں میں اختلاف پیدا ہو لہذا بعض مستحب کام اس کے لئے آپ ﷺ چھوڑ دیں یا رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی لئے فرمایا تھا: ”لولا حدثان قومك بالكفر لنقضت الكعبة و بنيتها على اساس ابراهيم عليه السلام“ اگر کفر سے تمہاری قوم کا زمانہ قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو توڑ ڈالتا اور اسے ابراہیم علیہ

السلام کی بنیاد پر تعمیر کر دیتا۔

۱۳۔ شارع نے نیکی کی بہت سی قسموں کا حکم دیا ہے جیسے وضوء، غسل، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ اور انہیں لوگوں کی عقلوں کے حوالہ نہیں کیا بلکہ ان کے ارکان، شروط اور آداب وغیرہ کو منضبط و متعین کر دیا، پھر ان ارکان و شروط و آداب وغیرہ کو بہت زیادہ منضبط نہیں کیا بلکہ جزئی تفصیلات کو لوگوں کی عقلوں اور اس سلسلہ میں وارد الفاظ سے جو وہ سمجھتے ہیں اور جس کے وہ عادی ہیں اس کے حوالہ کر دیا۔

مثلاً واضح کر دیا کہ: سورۃ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی، لیکن سورۃ فاتحہ کی صحیح قرأت جن مخارج حروف پر موقوف ہے اسے اور ان کے تشدید، حرکات اور ساکن وغیرہ کو نہیں بیان کیا، یہ بھی واضح کیا کہ نماز میں استقبال قبلہ شرط ہے لیکن ایسا کوئی قانون نہیں بتایا جس سے اس کا استقبال جانا جاسکے، یہ بیان کیا کہ زکوٰۃ کا نصاب دو سو درہم ہے لیکن درہم کا وزن نہیں بتایا، اس طرح کے مواقع پر جب آپ ﷺ سے سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو پہلے سے معلوم مقدار سے زیادہ نہیں بتایا اور لوگوں کے عادات و عرف میں جو بات تھی اس کے سوا اور کچھ نہیں بتایا، ماہ رمضان کے نئے چاند کے متعلق آپ نے فرمایا کہ: اگر دھند چھا جائے تو شعبان کی تیس دن کی تعداد پوری کرو، اور صحراء میں واقع پانی کے متعلق جسے درندے اور چوپائے پیتے ہوں آپ نے فرمایا: جب پانی دو مٹکا ہو تو وہ گندگی کو نہیں اٹھاتا، اور اس کی اصل عربوں کی عادت و عرف میں داخل تھی۔

اس کا راز یہ ہے کہ عبادات کی جزئیات کی توضیح ایسے ہی حقائق سے ہو سکتی ہے جو ظاہر، مخفی اور منضبط و متعین نہ ہونے میں انہیں جیسی ہوں، اس لئے ان کے مزید بیان کی ضرورت ہوگی اور یہ سلسلہ بے حد دراز ہوگا، اور اس میں بڑی تنگی ہے، ہر انضباط لوگوں پر تنگی کا باعث ہوگا اور کثرت انضباط و تعین مکمل تنگی و حرج کی باعث ہوگی، اور شریعت کے مکلف قریب اور دور ہر جگہ کے سب لوگ ہیں اور سب لوگوں کے لئے ان حدود کی تفصیلات کا یاد رکھنا سخت دشوار ہے، نیز کسی نیکی کے منضبط امور پر عمل کے لئے جب لوگ کامل توجہ کریں گے تو وہ نیکی کے فوائد کا احساس نہیں کر سکیں گے اور عبادتوں کی روح کی طرف ان کی توجہ نہ ہوگی، جیسے کہ بہت سے تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنے والوں کو دیکھتے ہو کہ وہ قرآن کے معنی میں تدبر نہیں کر پاتے، اس لئے کہ ان کے دل الفاظ ہی میں مشغول رہ گئے، لہذا اصل کو منضبط و معین کرنے کے بعد قرین مصلحت یہی ہے کہ معاملہ لوگوں کو سونپ دیا جائے۔

۱۴۔ دین کو آسان بنانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ شارع نے انسان کو ان کی فطری عقل کے معیار سے مخاطب کیا ہے اس سے پہلے کہ وہ حکمت، کلام اور اصول کی باریکیاں حاصل کرنے کی مشقت اٹھائیں، چنانچہ اپنے لئے جہت ثابت کیا ہے، ارشاد فرمایا: ”الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى“ [طہ: ۵] وہ رحمن عرش پر بلند ہے۔

اور نبی ﷺ نے ایک سیاہ فام عورت سے پوچھا: ”این اللہ“ اللہ کہاں ہے اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے فرمایا: ”ہی مومنہ“ یہ مومن عورت ہے، اور لوگوں کو استقبال قبلہ، اوقات نماز و عیدین کی معرفت کے لئے ہیئت اور ہندسہ کے مسائل یاد کرنے کا مکلف نہیں کیا اور آپ نے اپنے اس قول میں کہ: القبلة ما بین المشرق والمغرب“ قبلہ۔ اہل مدینہ اور اس کی سمت والوں کے لئے مشرق اور مغرب کے درمیان ہے یعنی جب کعبہ کی طرف جو مسئلہ کی وجہ ہے رخ کیا جائے اور فرمایا کہ: حج اس روز ہے جب تم سب حج کرو اور عید الفطر اس دن ہے جب تم سب عید الفطر مناؤ۔

کتابوں کی دنیا

(قسط: ۲)

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

کتاب کا دوسرا باب انبیاء علیہم السلام کے واقعات و قصص سے متعلق ہے، یہ باب نسبتاً طویل ہے ۱۹۷/ سے شروع ہو کر ۳۸۴/ پر ختم ہوا ہے۔ قصص الانبیاء کے عنوان سے ایک بات یاد آ رہی ہے جس کا ذکر مناسب سمجھ رہا ہوں، کیونکہ وہ براہ راست ہماری دینی زندگی سے متعلق ہے۔

ہمارا ثقافتی معیار آج بھی محتاج توجہ ہے، اردو زبان میں قصص الانبیاء نامی ایک کتاب بڑے سائز پر اچھی طباعت میں بچپن میں لوگوں کے ہاتھ میں نظر آتی تھی، یہ کسی عربی کتاب (عرائس المجالس وغیرہ) کا ترجمہ تھا، اور خواندہ طبقہ اسے لوگوں کو سنایا کرتا تھا، اس کے بعض واقعات میں نے بھی والدہ محترمہ رحمہا اللہ سے سنے تھے جن میں عوج بن عنق (یا عوق) اور اس کی لمبائی سے متعلق داستان کے بعض حصے ذہن میں محفوظ ہیں، ہمارے محلہ میں علماء کی کمی نہ تھی، بہ یک وقت ”محمد علی“ نام کے تین چار عالم تھے جو اپنی اپنی کتیبوں سے ممتاز ہوا کرتے تھے، والدہ محترمہ اس کا اکثر ذکر کرتی تھیں، وہ خود مولانا محمد نعمان رحمہ اللہ کی لڑکی تھیں جو شیخ الکمل سید نذیر حسین رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، اس پایہ کے علماء کی موجودگی میں قصص الانبیاء قسم کی کتابوں کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارا ثقافتی ماحول ہم سے کچھ تقاضا کر رہا ہے، محترم عابدی صاحب اور دوسرے اہل علم اس موضوع پر جو مشقت اٹھا رہے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ اس کا ضرور اجر دے گا کہ وہ مسلم معاشرہ کی اہم خدمت انجام دے رہے ہیں۔

عابدی صاحب نے قصص الانبیاء سے معنون باب پر توجہ مرکوز کی ہے، اور متعدد موضوعات کو منفتح کیا ہے، حدیث کے بنیادی مآخذ سے استفادہ کرتے ہوئے زیر بحث مسائل میں فیصلہ کن رائے ذکر کی ہے جس کا قاری کو انتظار رہتا ہے: آدم علیہ السلام کی تخلیق، خلیفہ کے معنی، آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ، عورت کے پسلی سے پیدا کئے جانے کا مفہوم، انسان کے اجزائے ترکیبی، ابراہیم علیہ السلام، بیت اللہ کے بانی، حجر اسود، مسجد حرام میں انبیاء کی قبروں کی حقیقت، یا جوج و ماجوج، مسلمانوں کی نکبت کے اسباب، یوسف علیہ السلام، یہودیوں کے انکار حق کے اسباب وغیرہ۔

خلیفہ کے مفہوم کی تعیین میں مفسرین کے اقوال کا خلاصہ تین شقوں میں بیان کیا ہے، پھر اپنی ترجیح پیش کی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ہند میں نزول کی روایت کو متعدد حوالوں سے ضعیف قرار دیا ہے۔

عابدی صاحب نے برقم ۲۱۰/ ایک حدیث ذکر کی جس میں آدم علیہ السلام کی تخلیق، اپنی اولاد کے باہمی فضائل کو

دیکھنے اور محمد ﷺ کے اول و آخر ہونے کا ذکر ہے، موصوف نے اس کی سند کو ضعیف بتایا ہے، پھر البانی صاحب کی تحسین اور مبارک بن فضالہ کے بارے میں تدلیس التوسیہ کے وصف کا ذکر کیا ہے، استدراک کے طور پر لکھتے ہیں:

”تجب ہے کہ محدث البانی نے زیر بحث روایت کے متن سے بالکل تعرض نہیں کیا ہے، حالانکہ اس کا متن اس کی سند سے زیادہ برا ہے، کیونکہ اس میں نبی مکرم ﷺ کے اول و آخر ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے جو درحقیقت ان لوگوں کے عقیدے کا ترجمان ہے جن کا دعویٰ ہے کہ نبی معظم محمد رسول اللہ ﷺ پیدا تو سب سے پہلے کئے گئے، لیکن آپ کی بعثت تمام انبیاء کے آخر میں ہوئی۔ اپنے اس دعویٰ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے انہوں نے درج ذیل ناقابل اعتبار روایت کا سہارا لیا ہے:

كنت أول النبيين في الخلق و آخرهم في البعث. اس ناقابل اعتبار روایت کے بارے میں تفصیلی بحث اس کتاب کی پہلی جلد (ص: ۲۹۲) میں گزر چکی ہے۔“

مکہ شہر میں بیت اللہ کی تعمیر سے متعلق بعض خیالات قائم کئے گئے ہیں، اور ان کی بنیاد بعض ضعیف روایات یا غیر معتبر اقوال ہیں، مکہ کی آبادی اور بیت اللہ کی تعمیر دونوں اہم مسائل میں داخل ہیں، لہذا عابدی صاحب نے قرآنی آیات اور صحیح احادیث کی بنیاد پر دونوں نقطوں سے متعلق قطعی اور مدلل رائے پیش کر دی ہے جس سے قاری کے ذہن میں واضح رائے آ جاتی ہے، ایک عنوان یوں قائم کیا ہے: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پہلو نٹے بیٹے حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہما السلام کو جب بیت اللہ کے پاس لا کر چھوڑا تھا اس وقت وہاں نہ تو کوئی آبادی تھی اور نہ پانی۔

اس مقام پر ازرقی پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ازرقی نے تاریخ مکہ میں جو یہ لکھا ہے کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مکہ میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو آباد کرنے سے پہلے وہاں عمالقہ آباد تھے، تو وہ اپنی سند اور متن دونوں اعتبار سے غلط ہونے کے ساتھ قرآنی آیات اور صحیح احادیث کے خلاف ہے۔

تعمیر بیت اللہ کے مسئلہ پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ: معصوم ﷺ سے مروی کسی صحیح حدیث میں یہ نہیں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے بیت اللہ تعمیر شدہ تھا، اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”مکان البیت“ سے استدلال کیا ہے تو یہ استدلال نہ صحیح ہے، اور نہ اس سے یہ مفہوم ظاہر ہی ہوتا ہے، بلکہ اللہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جگہ اللہ کے علم میں مقدر ہے، نہ یہ کہ بیت اللہ تعمیر شدہ تھا، اور اس کے گھر کی جگہ آدم علیہ السلام سے لے کر ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک قابل تعظیم رہی ہے!

مسجد اور قبر:

توحید الوہیت کے سلسلہ میں اسلام کا موقف بے حد واضح ہے، اس نے سابقہ اقوام کی مثالیں دے کر ان تمام راہوں کو مسدود کر دیا ہے جہاں سے شرک و بت پرستی داخل ہو سکتی ہے، مساجد سے قبروں کو دور رکھنے کے اس حکم میں یہی حکمت ہے، صحیح احادیث میں صراحت کے ساتھ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے یا قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کی ممانعت ہے، رسول اکرم ﷺ

نے دنیا سے جاتے جاتے یہود و نصاریٰ کو ملعون قرار دیا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ ایک طرف اسلام کا تاکید حکم اور امت کو قبر پرستی کی لعنت سے محفوظ رکھنے کے لئے ہر طرح کی احتیاط، اور دوسری طرف امت کا رویہ کہ قبروں پر سجدے کرنا، مسجدوں کو قبروں پر تعمیر کرنا اور قبر میں مدفون لوگوں سے التجائیں کرنا! چند برس پہلے کی بات ہے، سعودی عرب کے علماء کا ایک وفد دہلی میں چند روز کے لئے مقیم تھا، اس کے ساتھ ہندوستانی علماء کی جماعت بھی تھی، ملکی وغیر ملکی ان علماء کو دہلی میں اپنی اقامت کے علاقہ میں نماز ادا کرنے کے لئے بے قبر کی کوئی مسجد مل سکی، ناچار کچھ لوگ دور ایک مسجد میں جایا کرتے تھے، اور سورج غروب ہونے کے بعد ادا کی جانے والی نمازیں اقامت گاہ کی چھت پر پڑھتے تھے۔ مسجد حرام پر بحث کے ذیل میں عابدی صاحب نے امت کی مذکورہ اعتقادی خرابی کا جائزہ لیا ہے، اور اشارہ کیا ہے کہ یہ مرض کس طرح معاشرے میں پھیلا، لکھتے ہیں:

”درحقیقت مسجدوں میں قبریں بنانے یا قبروں کو سجدہ گاہوں اور مزارات میں تبدیل کرنے کا آغاز ان لوگوں کے ہاتھوں ہوا جو انبیاء، اولیاء اور صلحاء امت کی عقیدت میں غلو پسندی کے نتیجہ میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ کائنات میں تصرف کا اختیار رکھتے ہیں، ان کے توسط سے اللہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے، لہذا ان لوگوں نے صلحاء امت کو مسجدوں میں دفن کرنا شروع کر دیا، یا ان کی قبروں پر مسجدیں بنانا شروع کر دیں، یا ان کی قبروں کو مزاروں میں تبدیل کر دیا تاکہ اس طرح وہ اللہ کی عبادت کے ساتھ ان کی عبادت کو بھی شامل کر لیں۔“

تاریخ کی کتابوں میں اس نوعیت کی روایات و معلومات کی شمولیت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

”اور جن لوگوں نے مقدس مقامات کی تاریخیں لکھیں انھوں نے ان میں ان مقامات کے فضائل کے ضمن میں ایسی بے بنیاد روایتیں بھر دیں جو توحید کی روح اور مزاج سے براہ راست متصادم ہوتی ہیں، بعد میں یہی روایتیں دوسری کتابوں میں نقل در نقل ہوتی رہیں یہاں تک کہ ان کو مسلمہ تاریخی حقائق قرار دے لیا گیا۔“

ازرقی کی تاریخ مکہ پر لکھتے ہیں:

”مکہ کی تاریخ کے موضوع پر پہلی مدون کتاب ابو الولید ازرقی احمد بن محمد بن ولید بن عقبہ بن ازرق کی تصنیف ”تاریخی مکہ“ ہے جس کی تہذیب و تنقیح ان کے پوتے ابو الولید محمد بن عبد اللہ ازرقی متوفی ۲۵۰ھ نے کی ہے۔ ازرقی نے اپنی اس کتاب میں مسجد حرام کو ”قبرستان“ بنا دیا ہے، معروف و غیر معروف تابعین سے ایسی مقطوع اور مرسل روایتیں نقل کی ہیں جن کے ذریعہ مسجد حرام میں کثیر تعداد میں انبیاء اور رسولوں کی قبروں کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں: میں نے عبد الرحمن بن سابط سے کہتے ہوئے سنا ہے، انھوں نے عبد اللہ بن زمرہ سلولی کو کہتے ہوئے سنا ہے: رکن سے مقام ابراہیم تک اور یہاں سے حجر کے درمیانی رقبہ میں ۹۹/نبیوں کی قبریں ہیں، یہ سب حج کے لئے آئے تھے، یہیں ان کی وفات ہوئی، اور یہیں مدفون ہوئے۔“

عابدی صاحب نے علامہ ابن کثیر پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ موصوف نے لبنان کے البقاع نامی علاقہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی قبر کو خلاف واقعہ اور غیر ثابت قرار دے دیا، جب کہ مسجد حرام میں ان کی قبر کو صحیح اور مطابق واقعہ بتایا، حالانکہ دونوں جگہوں میں ان کی قبر سے متعلق جو روایات تاریخ کی کتابوں میں منقول اور لوگوں میں زبان زد ہیں ان میں سے کوئی بھی روایت قابل اعتماد نہیں ہے۔

مسجد حرام میں انبیاء کی قبروں سے متعلق روایات پر بحث کے بعد عابدی صاحب کا فیصلہ یہ ہے: مذکورہ وضاحت سے معلوم ہوا کہ مسجد حرام میں انبیاء علیہم السلام کے دفن کیے جانے کے واقعات من گھڑت اور جھوٹ ہیں۔

”تحریف کی بدترین مثال“ کے زیر عنوان عبداللہ بن عباس کی روایت ذکر کی ہے کہ: صلی فی مسجد الخیف سبعون نبیا الخ، علامہ البانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، البتہ اس میں یہ تحریف کی گئی ہے کہ ”صلی“ کی جگہ ”قبر“ بنادیا گیا ہے تاکہ مساجد میں قبروں کے وجود پر استدلال کیا جاسکے!

مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی قبر کی شمولیت سے استدلال کیا جاتا ہے! عابدی صاحب نے اس استدلال کی حقیقت بھی واضح کی ہے، لکھتے ہیں:

”اس سے یہ واضح ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی تدفین مسجد نبوی میں نہیں بلکہ اس سے باہر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہوئی تھی، خلفائے راشدین کے عہد یمون میں جب دوبارہ اس کی توسیع ہوئی تو اس وقت بھی آپ کی قبر مبارک مسجد سے باہر ہی رہی، لہذا جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد نبوی میں دفن کیا گیا تھا، اس لئے مسجد میں مردوں کو دفن کرنا جائز ہے، وہ اسلام کی بین اور واضح تعلیمات کے ساتھ ساتھ مسلمہ تاریخی حقیقت کو بھی جھٹلانے کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم سے ۸۸ھ میں امہات المؤمنین کے حجروں کو گرا کر مسجد نبوی میں شامل کیا گیا، اس وقت مدینہ منورہ میں کوئی بھی صحابی نہیں تھا۔ ولید کا یہ عمل رسول اکرم ﷺ کے ان تمام ارشادات کے خلاف تھا جن میں آپ نے مسجدوں میں مردوں کے دفن کرنے اور قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا ہے۔“

● عابدی صاحب نے معتبر مآخذ کی روشنی میں یا جوج ماجوج پر بھی بحث کی ہے، یہ بحث لگ بھگ بیس صفحات میں پھیلی ہوئی ہے بحث کے آغاز ہی میں موصوف نے لکھ دیا ہے کہ: اہل کہف، خضر علیہ السلام، ذوالقرنین اور یا جوج ماجوج کے بارے میں قدیم مفسرین و مؤرخین نے بہت کچھ لکھا ہے، اور ان کے تعین کے لئے بڑی تحقیق کی ہے، مگر کوئی مفسر یا مؤرخ یہ ثابت نہیں کر سکا ہے کہ ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس میدان میں تحقیق کا کام عصر حاضر میں بھی ہوا ہے، اور آئندہ بھی ہوگا، لیکن کوئی بھی تحقیق ایسی نہیں ہے، اور نہ آئندہ ہوگی جس کو حرف آخر کہا جاسکے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان شخصیتوں اور افراد کا تعلق امور غیب سے ہے جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، یا اللہ تعالیٰ کے بتانے سے رسول اکرم ﷺ کو حاصل تھا۔

یا جوج ماجوج کی تعیین کے سلسلہ کے بعض مشہور اقوال عابدی صاحب نے ذکر کئے ہیں، اور قطعیت تک پہنچنے کے لئے جو

رکاوٹ ہے اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، بعض معاصر علماء نے یا جوج ماجوج کی تعیین میں چینی، روسی، امریکی اور فرنگی اقوام کا نام لیا ہے، اس پر عابدی صاحب نے اطمینان ظاہر نہیں کیا ہے، البتہ اس ذیل میں مسلمانوں کی نکبت کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے، اور سورہ انفال کی آیت ۶۰ کی روشنی میں ہر طرح کی سیاسی و عسکری قوت حاصل کرنے کی تاکید کی ہے۔ اس بحث کا آخری فقرہ عابدی صاحب نے بڑی دل سوزی سے لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا اندھیر نگری نہیں، اللہ کی سنت یہ ہے کہ انعام و اکرام اور ذلت و نکبت دونوں کے لئے متعین معیار ہے، اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوتا ہے، موصوف کا تاثر ہے کہ: مسلمانوں کی دولت کا مصرف صحیح نہیں، دوستی و دشمنی کا معیار درست نہیں، کتاب و سنت کی واضح تعلیمات پر عمل نہیں، اس لئے دشمنوں کے دلوں سے ان کا دبدبہ نکل گیا ہے، اور وہ ہر طرح کی ذلت و خواری کا شکار بن چکے ہیں۔ موصوف نے اس مقام پر سورہ رد کی آیت ۱۱ کا متن و ترجمہ بھی ذکر کیا ہے جس میں (إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْيِرُ مَا بَقِيَهُ حَتَّى يَغْيِرُوا مَا بَأْنَفْسِهِمْ) کا جملہ بھی ہے۔

● حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو عابدی صاحب نے قریب چالیس صفحات میں بیان کیا ہے، اور متعدد امور کی تنقیح کی ہے، موصوف کا تاثر ہے کہ داستان طرازی کے خوگر اذہان نے مقام نبوت کا لحاظ کئے بغیر یوسف و زلیخا کے قصہ کو غلط روایات کے سہارے یا اپنی ذہنی اختراع سے اس طرح بیان کیا کہ پیغمبر کے مقابلہ میں زلیخا کی شخصیت زیادہ پاکیزہ نظر آنے لگی! پھر موصوف نے سورہ یوسف کی آیت ۵۰ کا مفہوم واضح کیا ہے، راود یراود اور ہم یم کی لغوی تحقیق کی، پھر دو صفحات پر پھیلی ہوئی ایک اسرائیلی روایت کا ترجمہ ذکر کر کے اپنا تاثر یوں ظاہر کیا ہے:

اس جھوٹی اور من گھڑت روایت میں جس انسان کی تصویر پیش کی گئی ہے وہ ”فسانہ عجائب“ کا کوئی کردار تو ہو سکتا ہے، لیکن کوئی نبی نہیں ہو سکتا! حضرت یوسف علیہ السلام کے پردادا ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شدید آزمائش میں ڈالا، اور کامیاب ہونے پر ان کو دنیا کا امام بنادیا۔ لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پر پوتا ایک ایک کر کے تمام آزمائشوں میں کامیاب رہا جس کی گواہی سورہ یوسف کی آیتیں دے رہی ہیں تو اس کو ”داستان حسن و عشق“ کا ہیرو بنادیا گیا، ایس چہ بواجی است!

آگے کا بحث یہود سے متعلق ہے، ان کی حق دشمنی، اس کے اسباب، نسلی تکبر، بنو اسمعیل سے بغض و نفرت کے احساس اور دنیوی فوائد کی حرص نے یہودیوں کو پیغمبر اسلام ﷺ پر ایمان لانے سے روک دیا اور یہود نے اپنی ساری ذہنی اور مادی توانائی اس دعوت کو ناکام بنانے کے لئے وقف کر دی۔

یہود کے تذکرہ ہی میں اسراء اور معراج کا بیان آیا ہے، اس ضمن کی بعض جھوٹی روایتوں کی عابدی صاحب نے تردید کی ہے، اور سورہ اسراء کی متعلقہ آیتوں کا مفہوم واضح کیا ہے، اسی بحث میں غزوہ خندق، غزوہ خیبر وغیرہ کا بیان آیا ہے، قول فیصل کے ذیلی عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

”قرآن پاک میں جس نبی کا سب سے زیادہ ذکر آیا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، اور جس قوم کے فکری و

عقائدی انحراف اور بد عملی کا سب سے زیادہ تذکرہ کیا گیا ہے وہ یہود ہیں، قرآن پاک میں یہود کو من حیث القوم ”نمونہ شر“ کے طور پر پیش کیا گیا ہے، کیونکہ ان کے معدودے چند افراد کے سوا پوری قوم تاریخ کے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی مرتکب رہی ہے۔

قرآن پاک میں جن سابقہ قوموں کا ذکر آیا ہے ان میں ہمیشہ عقائدی اور عملی بگاڑ ان کے انبیاء اور رسولوں کی وفات کے بہت بعد میں پیدا ہوا، سوائے بنو اسرائیل کے، وہ اپنے جن نبیوں اور رسولوں پر ایمان لاتے ان کی زندگی ہی میں معاصی کا ارتکاب کرتے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہایت گندے اور نازیبا کلمات کہتے، الخ۔

عابدی صاحب نے یہود و نصاریٰ کی تاریخ کے حوالہ سے ان کی نفسیات کو واضح کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان قوموں نے جس طرح اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات کی ناشکری کی، اسی طرح اسلامی عہد حکومت میں ان کے ساتھ عزت و تکریم کا جو معاملہ کیا گیا اسے بھی موقع ملنے پر بھلادیا، اور آج مسلم دشمن طاقتور اقوام کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانی میں مصروف ہیں، لیکن ان کی یہ چال ہمیشہ کامیاب نہ رہے گی، بلکہ ایک وقت آئے گا کہ اللہ کا وعدہ پورا ہوگا، اور اس کے دشمن رسوا ہوں گے۔

تیسرے باب کا تعلق حج اور زیارتِ مدینہ سے ہے، سابقہ باب میں یہود و نصاریٰ کے انحرافات کا بیان تھا، اور اس باب میں امتِ مسلمہ کی بے اعتدالیوں کا نقشہ پیش کیا گیا ہے کہ کس طرح عقیدت کے غلو میں مسلمانوں نے حد سے تجاوز کیا، اور رسول اکرم ﷺ کی اتباع کی جگہ آپ کی شان میں غلو کر کے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی، جب کہ قرآن کریم اور حدیث شریف میں بے شمار مقامات پر اس اصول کو واضح کر دیا گیا ہے کہ زبانی اظہارِ محبت کافی نہیں، نجات کے لئے عمل کی ضرورت ہے، غور کا مقام ہے کہ رسول ﷺ معصوم تھے، پھر بھی عمل کے لئے مشقت اٹھاتے تھے، لیکن مسلمانوں نے معلوم نہیں کس دلیل سے عمل کو ترک کر رکھا ہے!

حج اور زیارتِ مدینہ سے متعلق باب میں عابدی صاحب نے پہلے مدینہ طیبہ کی فضیلت سے متعلق بعض احادیث ذکر کی ہیں، یہاں کی آب و ہوا کو اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کی دعاء کے بعد صحت بخش بنا دیا، اسے عائر سے ٹور تک حرم ٹھہرایا، اسے یہ فضیلت بخشی کہ یہاں اور مکہ میں دجال داخل نہ ہو سکے گا۔

موصوف نے لکھا ہے کہ حدیث کی کتابوں میں مدینہ منورہ کے فضائل میں بہت سے احادیث مروی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں اس مقدس شہر کی بڑی اہمیت ہے، کیونکہ یہ اللہ کے محبوب اور آخری معزز و مکرم نبی ﷺ کا شہر ہے، آپ کا اور مسلمانوں کا دارالہجرت ہے، اسلامی ریاست کا دارالحکومت ہے، اس میں نبی کریم ﷺ کی مسجد ہے، اور اس مقدس شہر میں رسول اکرم فداہ ابی و امی مدفون ہیں۔

لیکن مدینہ منورہ کے ان تمام فضائل کے باوجود نہ تو کسی حدیث میں اس کی زیارت کی ترغیب دی گئی ہے، اور نہ اس کی زیارت کو اعمالِ حج میں شمار کیا گیا ہے۔

اپنے مقام و مرتبے اور فضیلت کے اعتبار سے مسجد نبوی شریف مسجد حرام کے بعد دوسرے درجہ پر ہے، جس میں ایک نماز دوسری مسجدوں میں ادا کی جانے والی ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، اس میں ادا کی جانے والی ایک نماز مسجد نبوی میں ادا کی جانے والی سو (۱۰۰) نمازوں اور دوسری مسجدوں میں ادا کی جانے والی ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔

عابدی صاحب لوگوں کی نفسیات سے واقف ہیں، مسجد نبوی کی فضیلت سن کر کوئی اور نتیجہ نہ نکالا جائے، اس لئے موصوف نے صراحت کی کہ: مسجد نبوی کے جو فضائل بیان کئے گئے ہیں وہ اس وجہ سے نہیں ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اس میں مدفون ہیں، بلکہ:

اولاً: تو نبی کریم ﷺ نے اپنی مسجد کے یہ فضائل اپنی حیات پاک میں بیان فرمائے ہیں۔
ثانیاً: جب نبی معظم ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کو مسجد میں نہیں بلکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن کیا گیا تھا۔

ثالثاً: حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے عہد میں جب مسجد نبوی میں توسیع ہوئی تو جنوبی سمت سے ہوئی، اسی طرح نبی مکرّم ﷺ کی قبر مبارک مسجد سے باہر رہی۔

رابعاً: ولید بن عبد الملک کے عہد میں جب مسجد نبوی کی توسیع ہوئی، اور قبر مبارک کے مسجد میں داخل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو مدینہ میں صحابہ کرام میں سے کوئی زندہ نہ تھا، پھر بھی اس وقت بعض تابعین نے اس کی مخالفت کی تھی جن میں سرفہرست جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ تھے۔ اس توسیع کے بعد بھی قبر مبارک مسجد سے الگ ایک مستقل حجرے میں رہی جس کو تین طرف سے دیواروں سے محفوظ کر دیا گیا تھا تا کہ نماز ادا کرتے ہوئے کسی کا رخ اس کی طرف نہ ہو۔ اس وضاحت سے ان لوگوں کے دعوے کی جڑ کاٹ جاتی ہے جو مسجد نبوی سے مسجدوں میں قبروں کے وجود پر استدلال کرتے ہیں، اور اس کی فضیلت کو اس کے اندر نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے وجود سے جوڑتے ہیں۔

عابدی صاحب نے وضاحت کی ہے کہ سورہ توبہ کی آیت ۱۰۸ میں تقویٰ پر قائم کی گئی مسجد کا جو ذکر ہے اس سے مسجد نبوی مراد ہے، اور مسجد قبا کی بنیاد بھی تقویٰ پر ہے، دونوں باتیں صحیح احادیث میں مذکور ہیں، اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ موصوف نے زیارت قبور کی بحث کے ضمن میں زیارت کی ممانعت اور پھر اجازت سے متعلق بعض حدیثیں ذکر کر کے کل چھ نتائج اخذ کئے ہیں، پھر رسول ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت پر طویل بحث کی ہے، اور بحث کے آغاز ہی میں اس کا حاصل ذکر کر دیا ہے، لکھتے ہیں کہ:

”حدیث کی کتابوں میں ایسی کوئی صحیح حدیث منقول نہیں ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی قبر مبارک کی زیارت کا حکم دیا ہو، یا اس کی زیارت کی ترغیب دی ہو، اور اس کا کوئی اجر و ثواب بیان کیا ہو، لہذا عام قبروں کی زیارت کا جو حکم ہے وہی

حکم نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا بھی ہے، بشرطیکہ وہاں کسی خلاف شرع عمل کا ارتکاب نہ کیا جائے، جیسے نبی مکر ﷺ سے دعاء کرنا، آپ سے شفاعت کی درخواست کرنا، آپ کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرنا، اور نبی کریم ﷺ سے اپنی پریشانیوں کے ازالہ، رزق میں کشادگی یا کسی بیمار سے شفاء کی درخواست کرنا وغیرہ، یا قبر مبارک کی جالیوں پر ہاتھ پھیرنا اور ان کو چومنا وغیرہ تو یہ حرام ہے، اس غرض کے لئے قبر مبارک کی زیارت بھی حرام ہے، اور ویسا کرنے والے اسی لعنت کے مستحق ہیں جس لعنت کے مستحق نبی کریم ﷺ کے ارشادات کے مطابق یہود و نصاریٰ اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں۔

اگر قبر مبارک کی زیارت مستحب ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال سے اس کا متواتر ثبوت ملتا جو بہت بڑی تعداد میں مسجد نبوی میں پنج وقتہ نمازیں ادا کرتے تھے۔ اس بحث میں عابدی صاحب نے ان من گھڑت، باطل اور جھوٹی روایات کو ذکر کیا ہے جن سے بدعت کا ارتکاب کرنے والے استدلال کرتے ہیں، اس بحث میں رواۃ پر بحث ہے جن کی وجہ سے وہ حدیثیں باطل ٹھہری ہیں، اور سبکی کی تردید میں ابن عبدالبہادی وغیرہ علماء کے اقوال نقل کئے ہیں، ایک اقتباس قابل توجہ ہے:

”رسول اکرم فداہ ابی وامی ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت سے متعلق کتابوں میں مذکورہ اور لوگوں میں زبان زد جھوٹی اور بے بنیاد روایات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان بدعتیہ گروہوں کا بھی تفصیلی جائزہ لیا جائے جو دین تو حید ”اسلام“ سے نسبت رکھنے یا نسبت کا دعویٰ کرنے والے نام نہاد علماء، بزرگان دین، صلحاء اور عوام میں پھیلی ہوئی ہیں۔ عالم اسلام میں عمومی طور پر اور برصغیر کے ملکوں میں خصوصی طور پر بزرگان دین کی قبروں اور مزاروں پر جن مشرکانہ اعمال اور منکرات کا ارتکاب ہوتا ہے وہ نہ تو عربوں کے صنم کدوں میں دیکھے گئے اور نہ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں میں۔“

اس بحث میں بعض بزرگوں کا ذکر ہے جن کی تحریروں سے صراحتاً یا اشارۃً ایسا تاثر قائم ہوتا ہے جس کی شریعت سے توثیق مشکل ہے، یہ مسئلہ نازک ہے، اسی لئے بعض علماء نے اس کی توجیہ کی ہے، شاہ اسماعیل رحمہ اللہ کی صراط مستقیم والی عبارت کی توجیہ مولانا اسماعیل گوجرانوالہ نے کی ہے، اس سے دلی مطمئن ہو سکتا ہے۔

ایک باطل و مردود روایت میں نبی ﷺ کی قبر مبارک پر جا کر آپ سے دعا کرنے کی درخواست کی گئی ہے، اس روایت کی سند و متن کے مردود ہونے اور اس میں موجود علت پر بحث کرنے کے بعد عابدی صاحب لکھتے ہیں:

”اہل قبور اور غیر اللہ کو وسیلہ اور ذریعہ بنانے والوں کو قرآن پاک کی واضح اور صریح آیات اور وہ صحیح احادیث نظر نہیں آتیں جن میں غیر اللہ کو پکارنے، قبروں میں مدفون بزرگان دین، صالحین اور اولیاء سے مدد کی درخواست کرنے اور قبروں پر عرس منانے اور میلہ لگانے سے منع کیا گیا، اور ایسا کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے، لیکن ان کو وہ بے بنیاد، ناقابل اعتماد اور ضعیف روایتیں ضرور نظر آ جاتی ہیں جن سے ان کے فاسد عقائد کی تائید ہوتی ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس طرح کی روایتوں کو گھڑنے والے اور ان کو لوگوں میں پھیلانے والے یہی لوگ ہیں۔“

رسول اکرم ﷺ کی طرف زائرین کے ذریعہ سلام بھیجنے کے عمل کے سلسلہ میں موصوف لکھتے ہیں کہ: یہ عمل غیر مشروع ہے، اور اس کے حق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ حدیث و فقہ رحمہم اللہ کے عمل سے کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ ائمہ اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو قریب یا دور سے جہاں سے بھی سلام کیا جائے آپ اس کو خود نہیں سنتے، کیونکہ اس دنیا سے آپ کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا ہے، بلکہ ہمارا درود اور سلام فرشتوں کے ذریعہ آپ تک پہنچایا جاتا ہے، قبر مبارک کے قریب سے درود و سلام سننے سے متعلق لوگوں میں جو حدیث زبان زد ہے وہ جھوٹ اور من گھڑت ہے۔

● چوتھا اور آخری باب معاشرت سے متعلق ہے، اس کی اہمیت قارئین سے مخفی نہیں، کیونکہ قرآن کریم کی آیات، صحیح احادیث اور صنف نازک کے تین اسلامی موقف کی جو تصویر بنتی ہے ان سب کو نظر انداز کر کے اسلام کے بارے میں جو تصور قائم کیا گیا ہے وہ امر واقعہ کے بالکل خلاف بلکہ حد درجہ ظالمانہ ہے۔

اس باب کو شروع کرتے ہوئے عابدی صاحب نے اسلام میں عورت کے درجہ پر قرآن و سنت کے حوالہ سے روشنی ڈالی ہے، اور ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کا کردار نمایاں کیا ہے، پھر دوسری خواتین کی قربانیوں کو بیان کیا ہے، عرب کے سماجی حالات اور خواتین کی ناقدری کا ذکر کیا ہے، پھر عورتوں کی تحقیر و تنقیص پر مشتمل باطل روایات کی نشاندہی کی ہے۔ اگر باب تصوف کا ایک طبقہ تجرد کی زندگی کی طرف اپنے میلان کے سبب عائلی ذمہ داریوں سے فرار کی راہ پر گامزن نظر آتا ہے، اور اسے عبادت و تقویٰ میں معاون مانتا ہے، عابدی صاحب نے اس رجحان کی غلطی واضح کی ہے، اور لکھا ہے کہ اس طرح کے خیال کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی ذیل میں ان باطل روایات کی معتبر حوالوں سے تردید ہے جن میں تعلیم نسواں سے روکا گیا ہے، عورتوں کی تحقیر سے متعلق روایات پر بحث کے بعد عابدی صاحب کا یہ تاثر ہے:

”اد پر عورتوں سے متعلق جو جھوٹی روایات نقل کی گئی ہیں ان سے عورتوں کے بارے میں جو عمومی تصور پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ عورت بحیثیت جنس کے فتنہ و فساد کی جڑ، ناقابل اعتماد، بد دین، بد اخلاق، بے عقل اور بے صبر مخلوق کا نام ہے۔ کتاب و سنت میں دونوں کے دائرہ کار اور میدانِ عمل کے الگ الگ ہونے کے سوا ان کے درمیان کوئی تفریق نہ کیے جانے کے باوجود ان کے درمیان وہی امتیازی ذہنیت کا رفرما ہے جو ذہنیت غیر مسلموں میں کا رفرما تھی، اور آج بھی کا رفرما ہے۔“

سورہ روم کی آیت ۲۱ میں عورت کی تخلیق کو باعث سکون و مودت قرار دیا گیا ہے، اس پر بھی عابدی صاحب نے لکھا ہے کہ جو گھناؤنی تصویر عورت کی لوگوں نے قائم کی ہے اس کے بعد اس سے سکون و محبت کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے، اور اس کے مہربان و شفیق ہونے کا گمان کیسے کیا جاسکتا ہے!

عابدی صاحب نے کفایت کے مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے، اور صحیح احادیث کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فقہاء نے جس کفایت کو شرط قرار دیا ہے وہ بے اصل ہے۔ غور کا مقام ہے کہ کتاب و سنت کے نصوص اور قرونِ خیر کے تعامل سے جو بات

ثابت ہے، اور اسلام کے نظریہ عدل و مساوات سے ہم آہنگ ہے اس سے مسلمان کس طرح کنارہ کشی اختیار کئے ہوئے ہے، اور اسلام نے ازدواج میں دین کے مسئلہ کو جس طرح اہمیت دی ہے اسے یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے، نظریاتی طور پر تو یہ مسئلہ محتاج بحث نہیں، البتہ عملی میدان میں باطل روایات سے بچنے اور صحیح روایات کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

سماجی امراض میں ذات پات کا تصور بھی مہلک ہے، عابدی صاحب نے اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے، اور قرآن و سنت کی روشنی میں اصل حیثیت واضح کی ہے، لکھتے ہیں:

”قرآن و حدیث کی مذکورہ وضاحتوں کی روشنی میں پورے یقین قلب کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ذات پات، قبیلہ، خاندان اور نسل و قوم، اسی طرح زبان اور رنگ کی بنیاد پر لوگوں میں تفریق کرنا اور ایک کو دوسرے سے برتر یا کمتر قرار دینا اسلام کی روح اور مزاج کے منافی ہے، لہذا مناقب و فضائل کی کتابوں میں متداول وہ روایات جن میں مذکورہ بنیادوں پر باہمی فخر و مباہات کی دعوت دی گئی ہے، یا اس کی تائید کی گئی ہے، سب جھوٹ ہیں، رسول اکرم ﷺ سے ان کی نسبت صحیح نہیں ہے۔“

عابدی صاحب نے اس مقام پر عرب قوم کے عروج و زوال اور ترکوں کے عروج و زوال کی مثال دی ہے، جب تک یہ لوگ اسلام کے پابند رہے عزت کی زندگی بسر کرتے رہے، اور جب اسلام کی پابندی میں سست پڑے تو ان کے عروج کو بھی گھن لگ گیا۔

اہل بیت سے اور عربی زبان سے محبت کے ذیلی عنادین کے بعد عابدی صاحب نے حرفت اور پیشہ کے مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے، اور کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ: ”سید، شیخ، مغل اور پٹھان وغیرہ شریف اقوام، نجیب الطرفین ہیں، جب کہ بقیہ برادریاں مثلاً جولاہا تیلی وغیرہ چھوٹی اور ذلیل اقوام ہیں۔“

ہدایہ کے حوالے سے ”قریش بعضہم اکفاء لبعض“ الخ اور زیلعی کے حوالہ سے ”العرب بعضهم أكفأ لبعض“ الخ پر سند کے لحاظ سے بحث کے بعد موصوف لکھتے ہیں:

”یہ تو اس روایت کی سند کا حال تھا، رہا اس کا متن تو اس کا صدور رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے ناممکن ہے، کیونکہ اولاً تو صحابہ کرام میں بھی لوہار، حجام، پارچہ باف وغیرہ موجود تھے۔“

دوم اسلام کی نگاہ میں حلال روزی کمانے کے لئے خاص پیشوں کا تعین نہیں کیا گیا ہے، اور نہ کسی خاص پیشہ یا حرفت کی ترغیب دی گئی ہے، نہ کسی پیشہ یا حرفت کی مذمت کی گئی ہے، دراصل پیشوں اور حرفتوں کی بنیاد پر لوگوں میں فرق مراتب کرنا اسلامی نہیں بلکہ ہندوانہ ذہنیت اور عقیدہ ہے۔ پیشہ و حرفت سے متعلق متعدد روایات ذکر کر کے موصوف نے ان کے جھوٹ کو واضح کیا ہے۔

اس نوعیت کے خیالات مسلمانوں میں جہاں سے آئے ہیں عابدی صاحب نے اس کی نشاندہی بھی کی ہے، اور اشارہ کیا ہے کہ مسلمان دانستہ یا نادانستہ ان خیالات میں پھنس گیا ہے، ورنہ اسلامی نظریات، عقائد اور احکام میں انسانوں کے مابین مذکورہ نوعیت کی کوئی تفریق نہیں ہے۔☆☆☆

اعمال صالحہ پر مداومت

شیخ محمد بن عبداللہ السبیل
امام و خطیب مسجد حرام مکہ مکرمہ

ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو اکیلا باقی رہنے والا اور اپنے بندوں پر انعام و اکرام فرمانے والا ہے، میں ایک موحد اور دین پر ثابت قدم رہنے والے بندہ مومن کی طرح اس رب پاک کی حمد بیان کرتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اس کا حکم ہے کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہاری موت آجائے، ساتھ ہی یہ بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جو تمام مخلوق میں سب سے افضل و اطہر ہیں۔

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرتے رہو، ہر جگہ اور ہر لمحہ اس کے مراقب و نگران ہونے کا احساس رکھو اور اس بات کا شکر ادا کرو کہ اس نے صوم و غفران کے مبارک مہینہ کو مکمل کرنے کی تمہیں توفیق بخشی، یہ مہینہ ہم سے رخصت ہو چکا، یہ نیکو کاروں کے حسن اعمال کا بھی شاہد ہے اور نافرمانوں کے عصیان و نافرمانی کا بھی۔ کاش یہ معلوم ہو سکتا کہ اس ماہ میں ہم میں سے کس کے اعمال قبول ہوئے ہیں تاکہ ہم اسے مبارکباد دیتے، اور کس کے قبول نہیں ہوئے تاکہ اس کی تعزیت کرتے۔

اللہ کے بندو! اطاعت پر جتنے رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ رب العالمین کا بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ ہے، اور اللہ اور اس کی عبادت سے اعراض کرنا نقص ایمان کی دلیل ہے، لہذا اللہ سے ڈرو، جملہ اوقات میں اس کی طاعت و بندگی پر جتنے رہو اور اعمال صالحہ کے ذریعہ اس سے تقرب حاصل کرو، کیونکہ وہ معبود برحق جس کے لئے ماہ رمضان میں روزے رکھے جاتے ہیں، عبادت کی جاتی ہے اور رکوع و سجود ادا کئے جاتے ہیں، وہ ہر وقت اور ہر لمحہ معبود ہے، وہ عمل صالح کیا ہی خوب ہے جس کے بعد بھی مسلسل نیکیاں کی جائیں اور یہ کتنی خراب بات ہے کہ نیکی کے بعد برائی کی جائے، اس لئے اپنے وقت کو لہو و لعب اور غفلت میں ضائع نہ کرو، ماہ رمضان میں جو عمل صالح کئے ہیں انہیں برباد نہ کرو، اس کے اندر جو مبارک اور خوشگوار ساعتیں تمہیں نصیب ہوئی تھیں ان کو خراب نہ کرو اور اللہ رب العالمین سے مناجات و رجوع کی جو بہترین لذت ملی تھی اسے بدمزہ نہ کرو، نیکی کے قبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ آدمی اس کے بعد نیکیاں ہی کرتا جائے اور اس کے قبول نہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اس کے بعد حسب سابق گناہوں میں ملوث رہے، چنانچہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو رمضان شریف کے مہینہ میں عبادت کرتے ہیں اور اس میں خوب محنت کرتے ہیں لیکن جیسے ہی رمضان کا مہینہ ختم ہوتا ہے سب

کچھ چھوڑ دیتے ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہایت ہی برے لوگ ہیں جو اللہ کو صرف رمضان میں پہچان پاتے ہیں۔
نیز حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ موت ہی مومن کا عمل منقطع کرتی ہے، اس کے بعد انہوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (الحجر: ۹۹)

اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہیں موت آجائے۔
اللہ کے بندو! ابھی کل تک مسجدیں نمازیوں اور ذکر و اذکار کرنے والوں سے بھری تھیں، تلاوت قرآن کے ساتھ ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، راتیں رکوع و سجود میں گزر رہی تھیں اور مالک حقیقی کے حضور اس کے فضل و احسان اور مغفرت و رضوان کی امید میں وہ دست دعا بلند کئے ہوئے تھے، لہذا ذکر الہی میں مشغول ہونے کے بعد اس سے منہ نہ پھیرو اور نماز عید کے بدلہ تمہارے حصہ میں لہو و لعب، غفلت و کوتاہی، طاعت الہی سے اعراض اور لباس و پوشاک میں فخر و تکبر پیدا نہ ہو، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مبارک مہینہ کے اختتام پر شکر ادا کرو، رب العالمین سے مغفرت اور قبول اعمال کی دعا مانگو اور اس کی طاعت و بندگی پر قائم رہو۔

مسلمانو! رب تعالیٰ کی عبادت و بندگی پر مداومت و استقامت کیا ہی بہترین اور قابل ستائش عمل ہے، لہذا اسی استقامت کو اپنا شعار بناؤ، اعمال صالحہ تمہاری غرض و غایت ہوں، خوشنودی مولیٰ تمہاری سب سے بڑی آرزو ہو اور سنت نبوی کی پیروی تمہارا مقصد زندگی ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اجر و ثواب لکھ دے گا اور اپنی رحمت کے دروازے تم پر کھول دے گا، اس کی رحمت حسن عمل کرنے والوں سے بہت قریب ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ تم مسلسل حسن عمل کرتے رہو۔
ماہ رمضان کے بعد حسن عمل کا ایک سلسلہ یہ بھی ہے کہ ماہ شوال کے چھ روزے رکھے جائیں، نبی کریم ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے، چنانچہ ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتَامَنَ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ“۔ (۱)

جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر شوال کے بھی چھ روزے اس کے بعد ملائے تو یہ (ثواب میں) پورے سال روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔

اللہ کے بندو! لہذا اس فضیلت کو ہاتھ سے جانے نہ دو، کس کو معلوم ہے کہ آنے والا سال اسے ملے یا نہ ملے، اس لئے خیر کے کاموں کی طرف جلدی کرو اور انشراح صدر اور کمال خوشی کے ساتھ اسے خوش آمدید کہو، ارشاد الہی ہے:

﴿فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ (یونس: ۵۸)

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صوم ستہ ایام من شوال (۱۱۶۴) و مسند احمد ۷/۴۱۷ (۲۳۵۹۲)

پس چاہئے کہ لوگ اسی سے خوش ہوں، یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔
ساتھ ہی رب تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی سنو:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الاحقاف: ۱۳، ۱۴)

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر قائم رہے تو ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے، یہی اہل جنت ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے، یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔

مسلمانو! اللہ سے ڈرو، اس کی اطاعت کرو، توبہ واستغفار کو لازم پکڑو، اللہ کی عبادت و بندگی میں کوتاہی کرنے سے بچو اور اس بات پر یقین رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہ دارالعمل ہے، یہاں حساب نہیں ہوگا، اور آخرت دارالحساب ہے، وہاں عمل کرنے کی گنجائش نہ ہوگی، ساتھ ہی اس کا بھی خیال رکھو کہ رمضان شریف کے مہینہ میں جو عبادتیں تم نے اللہ کے پاس بھیجی ہیں اور جو اچھے اعمال کئے ہیں انہیں معصیت کے ذریعہ برباد نہ کرو، گناہ و معصیت بربادی عمل کا سبب ہیں۔

مسلمانو! ابھی ماہ رمضان میں تمہاری حالت یہ تھی کہ دن بھر روزہ رکھتے اور رات کو قیام کرتے تھے، خوب خوب صدقہ و خیرات اور حسن سلوک کرتے تھے، تمہاری زبان تلاوت قرآن میں مشغول تھی اور اعضاء و جوارح مالک حقیقی کی عبادت سے لبریز، لیکن کیا ہو گیا کہ عبادت الہی میں اس قدر مشغول ہو کر ”حزبِ رحمٰن“ میں شامل ہو جانے کے بعد آج تم شیطان کے گروہ میں نظر آ رہے ہو؟ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ نمازیوں کی صف میں داخل ہو جانے کے بعد نماز ترک کرو؟ جبکہ نماز دین کا ستون ہے، دل کا نور ہے، رب تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ اور اس کے اور بندے کے درمیان ایک اہم رابطہ ہے، لہذا نماز کی اور نماز کے ساتھ ہی دیگر فرائض و واجبات کی محافظت کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں اجر جزیل اور ثواب کثیر عطا فرمائے اور اپنے فضل سے نوازے۔



اہل قلم سے گزارش

دارالتالیف والترجمہ (جامعہ سلفیہ بنارس) کا ماہنامہ محدث میدان صحافت میں برسوں سے اپنی خدمات انجام دے رہا ہے، اور ادارہ ہمیشہ اس بات کے لئے کوشاں رہتا ہے کہ معتبر اور مفید تحریریں اس پرچہ کی زینت بنیں، اس لئے ادارہ آپ سے یہ گزارش کرتا ہے کہ آپ اپنی نگارشات سے نوازیں، ان شاء اللہ آپ کا فاضلانہ تحریریں حتی الامکان قریبی شمارہ میں شامل اشاعت کی جائیں گی اور ادارہ آپ کا ممنون و مشکور ہوگا۔
(ادارہ)

حج کے سلسلے میں عورتوں کے مخصوص مسائل و احکام

مولانا اسعد اعظمی / استاذ جامعہ سلفیہ

حج اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن اور عظیم ترین عبادت ہے۔ جو صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ واجب ہے۔ کتاب و سنت اور اجماع امت سے اس کی فرضیت ثابت اور مسلم ہے اور اس کی فضیلت و اہمیت پر متعدد نصوص موجود ہیں۔

دیگر عبادات کی طرح حج کی مشروعیت مرد و عورت دونوں کے لئے ہے۔ البتہ دیگر عبادات کے احکام و مسائل ہی کی طرح حج کے بعض احکام و مسائل میں بھی کچھ تفریق ہے، مگر مشروعیت اور حج کے بے پناہ اجر و ثواب کے استحقاق میں مرد و زن برابر ہیں۔ احادیث نبویہ میں عورتوں کے لئے حج کو جہاد قرار دیا گیا ہے۔

صحیحین میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ تمام اعمال میں افضل ہے تو ہم بھی کیوں نہ جہاد کریں، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لکن أفضل الجہاد حج مبرور۔ (۱)

تمہارے لئے سب سے افضل جہاد تو حج مبرور ہے، یعنی وہ حج جس میں کوئی نازیبا حرکت نہ کی جائے۔
عازمین حج کی رہنمائی اور مناسک حج کی تفصیلات سے انہیں آگاہ کرنے کے لئے تقریباً ہر زبان میں چھوٹے بڑے رسالے اور کتابچے لکھے جا چکے ہیں جن میں مرد و زن دونوں کے تعلق سے ضروری معلومات موجود ہوتی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کے مسائل کچھ زیادہ تفصیل طلب ہوتے ہیں جس تفصیل کے وہ کتابچے عام طور سے متحمل نہیں ہوا کرتے۔ جب کہ ضرورت کا تقاضا ہوتا ہے کہ عورتوں کو ان تفصیلات سے روشناس کرایا جائے تاکہ شرح صدر کے ساتھ اس عظیم عبادت کے جملہ ارکان ادا کر سکیں اور اس کی سعادتوں سے اپنے دامن مراد کو بھر سکیں۔ کیونکہ عام طور سے عورتیں اپنی فطری شرم و حیاء کی وجہ سے ان مسائل کے بارے میں اہل علم سے استفسار کرنے سے کتراتے ہیں، دوسرے یہ کہ بیشتر علمی مجلسوں، جمعہ کے خطبوں اور

وعظ و تذکیر کی محفلوں سے غیر حاضر رہنے کی بنا پر بھی ان میں احکام و مسائل سے واقفیت ذرا کم ہی رہا کرتی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ واقفیت کی یہ کمی روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے روزہ نماز کے مسائل کے بارے میں جب رہ سکتی ہے تو زندگی میں ایک بار ادا کی جانے والی عبادت میں بدرجہ اولیٰ موجود ہوگی۔ خاص طور سے اس لئے بھی کہ حج کے مسائل نسبتاً زیادہ تفصیلی اور تشابہ ہوتے ہیں جن کے استیعاب سے مرد عازمین حج ہی بالعموم قاصر رہا کرتے ہیں۔

ان تمام اسباب کے پیش نظر ناچیز کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس قسم کے مسائل کو یکجا کر کے محفوظ کر دیا جائے تاکہ عورتوں کے ہاتھ میں ایام حج میں اس کتاب کی موجودگی سے ان کو پیش آنے والی مشکلات میں مدد مل سکے اور جملہ مناسک حج کی ادائیگی علی وجہ البصیرۃ کر سکیں۔

چونکہ یہ مضمون خاص طور سے عورتوں کے لئے مرتب کیا گیا ہے اس لئے زبان و بیان میں سادگی اور سہولت کا خیال رکھا گیا ہے۔ ساتھ میں اختصار کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ کہیں طوالت کا خوف استفادہ سے مانع نہ بن جائے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ زیر نظر تحریر میں ان ہی مسائل و مشکلات کے بیان و توضیح پر اکتفا کیا گیا ہے جن میں عورتیں مردوں سے منفرد و ممتاز ہوتی ہیں، رہے وہ مسائل جو دونوں جنسوں کے مابین مشترک ہیں ان کی تفصیلات کے لئے حج سے متعلق لکھے جانے والے کتابچوں اور رسالوں ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

عورتوں کا احرام

مرد جس طرح دو سفید چادروں میں احرام باندھتے ہیں تو کیا عورت کے احرام کے لئے بھی کسی مخصوص رنگ اور مخصوص شکل کا کپڑا متعین ہے؟ اس سلسلے میں واضح ہو کہ ایسی کوئی بات نہیں، عورت عام طور سے جو کپڑے پہنتی ہے چاہے وہ کسی بھی شکل کا ہو اور کسی بھی رنگ کا ہو اس میں وہ احرام باندھے گی البتہ عام حالات میں جس طرح عورت کے لئے حکم ہے کہ اس کا کپڑا ڈھیلا ڈھالا ہو، ساتر ہو، پورے بدن کو ڈھاکے رہے، باریک نہ ہو اور اس قدر زرق برق نہ ہو کہ مردوں کی توجہ کا سبب بنے۔ کپڑا لمبا، دبیز اور کشادہ ہو ایسے ہی احرام کے کپڑوں میں ان چیزوں کی طرف توجہ دی جائے گی۔

بعض عورتیں سبز رنگ کے کپڑے میں احرام باندھنے کو مسنون بلکہ واجب سمجھتی ہیں حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اسی طرح احرام کے لباس کے سلسلے میں یہ بھی واضح رہے کہ صرف مردوں کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ سلاہوا کپڑا نہیں پہنیں گے، عورتوں کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔

حالات احرام میں چہرے اور ہتھیلیوں کا کھلا رکھنا

عام حالات میں عورت کے لئے چہرے اور ہتھیلیوں کا پردہ ضروری ہوتا ہے مگر عورت جب احرام باندھے گی اور احرام

کی نیت کر لے گی تو اس کے لئے چہرہ اور ہتھیلیوں کا ڈھانکنا ممنوع ہو جاتا ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”احرام والی عورت نہ چہرے پر نقاب باندھے گی اور نہ ہی دستاں پہنے گی۔“ (۱) لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس دوران اگر اجنبی مرد یعنی غیر محرم شخص کا سامنا ہو جائے تو عورت وقتی طور پر اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا پردہ کر لے گی۔ ایسی صورت میں جس کپڑے سے وہ اپنے چہرے کا پردہ کرے گی وہ کپڑا اگر چہرے سے چھو جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں، بعض عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اس حالت میں کپڑے کا چہرہ سے چھونا ممنوع ہے اس لئے وہ اپنی پیشانی کے اوپر لکڑی یا کسی دوسری چیز کو اس طرح باندھ رہتی ہیں کہ اس کے اوپر سے کپڑا الٹا کر بوقت ضرورت چہرے کا پردہ کیا جائے تاکہ وہ کپڑا چہرے سے مس نہ کرے۔ ایسے تکلف کی کوئی ضرورت نہیں، نہ اس پر کوئی دلیل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ حالت احرام میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہتی تھیں تو قافلے والے جب ہمارے پاس سے گزرتے اور قریب آتے تو ہم اپنے چہرے پر اوڑھنیاں لٹکالیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم اپنے چہرے کو کھول لیتیں۔ (۲)

تلبیہ بلند آواز سے نہ پکارے

احرام باندھ لینے کے بعد محرم کو چاہئے کہ تلبیہ یعنی ”لبیک اللہم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملك لا شریک لک“ کا ورد جاری رکھے، یہ تلبیہ مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ مرد لوگ بلند آواز سے تلبیہ پکاریں گے لیکن عورتیں پست آواز سے ہی تلبیہ پکاریں گی کیونکہ عورت کی آواز بھی غیر محرم تک نہیں پہنچنا چاہئے جیسا کہ عام حالات میں حکم ہے۔

عورت عمر بچے کے احرام میں ہو یا حج کے، دونوں میں اس کا لجا ضروری ہے۔

حالت احرام میں کنگھی کا استعمال

چونکہ حالت احرام میں بال کاٹنا، مونڈنا، یا اکھاڑنا سب منع ہے اس لئے عورتوں کو حالت احرام میں کنگھی کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ کنگھی کرنے سے عموماً بال ٹوٹتے اور جھڑتے ہیں، اگر کسی نے حالت احرام میں کنگھی کی اور اس کی وجہ سے کوئی بال ٹوٹ گیا تو اس پر فدیہ واجب ہوگا۔

فدیہ کی تحدید کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ایک بال ٹوٹنے پر ایک مد، دو بال

(۱) صحیح بخاری حدیث نمبر ۱۸۳۸

(۲) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۸۳۳، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۹۳۵، سنن بیہقی، حدیث نمبر: ۸۸۳۳

ٹوٹنے پر دو مڈاناج واجب ہوتا ہے۔ اور تین یا تین سے زائد پر ایک بکری ذبح کرنا، بعض کے نزدیک ایک سے تین بال تک ایک مڈگندم یا نصف صاع جو واجب ہوتا ہے۔ (۱)

حالت احرام میں تیل کا استعمال

احرام کی حالت میں بدن پر یا سر پر تیل لگانے کے بارے میں اہل علم کے یہاں بڑی تفصیل اور شرائط موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- ☆ بحالت احرام خوشبودار تیل کا استعمال ممنوع ہے بدن کے لئے ہو یا سر کے لئے۔
- ☆ دوا علاج کی غرض سے غیر خوشبودار تیل کا استعمال بالاتفاق جائز ہے بدن کے لئے بھی اور سر کے لئے بھی۔
- بقیہ کے بارے میں اختلاف ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ:
- بحالت احرام غیر خوشبودار تیل جسم کے کسی بھی حصہ پر استعمال کرنے میں نہ تو کوئی گناہ ہے نہ فدیہ البتہ بہتر یہ ہے کہ سر کے بالوں میں غیر خوشبودار تیل بھی نہ لگایا جائے اس خوف سے کہ تیل لگاتے وقت کوئی بال ٹوٹ کر گر نہ جائے۔ (۲)
- حالت احرام میں سرمہ کا استعمال
- تیل کے استعمال کے مانند سرمہ لگانے کے بارے میں بھی فقہاء کے یہاں بڑی تفصیلات پائی جاتی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- ☆ حالت احرام میں علاج کی غرض سے سرمے کا استعمال جائز ہے۔
- ☆ اگر مقصد علاج نہ ہو تو سرمے کا استعمال ناجائز یا مکروہ ہے۔
- ☆ اگر سرمہ خوشبودار ہو تو اس کے استعمال پر فدیہ واجب ہوگا خواہ دوا کے طور پر استعمال کیا جائے یا بغیر ضرورت لگایا جائے۔ (۳)

حالت احرام میں مہندی کا استعمال

احرام باندھنے سے پہلے اگر عورت مہندی لگانا چاہے تو کوئی حرج کی بات نہیں اگرچہ اس مہندی کا رنگ حالت احرام میں بھی باقی کیوں نہ رہے، البتہ احرام باندھ لینے کے بعد جب تک احرام بندھا رہے مہندی اور اس جیسے خضاب کا استعمال مکروہ ہے۔ (۴)

(۱) فقہ النساء للشیخ عطیہ خمیس: ص ۳۸۲ (۲) ایضاً: ص ۳۸۸-۳۹۱

(۳) ایضاً: ص ۳۹۱-۳۹۴ (۴) أوضح المسالك الی احکام المناسک للشیخ عبدالعزیز الحمد السلمان: ص ۱۰۹-۱۱۰

حالت احرام میں زیور کا استعمال

حالت احرام میں عورت پازیب اور اس جیسے زیور پہن سکتی ہے جیسے کنگن، بازو بند اور بالیاں وغیرہ، کیوں کہ جن کپڑوں سے عورت کو حالت احرام میں منع کیا گیا ہے ان کے علاوہ انہیں اجازت ہے کہ جو زیورات اور جیسا لباس چاہیں پہن سکتی ہیں۔ (۱)

عورتوں کے لئے ”رل“ نہیں

حجاج کرام جب مکہ پہونچتے ہیں تو پہلی بار بیت اللہ کا طواف (طواف قدوم) کرتے وقت شروع کے تین چکروں میں انہیں ”رل“ کرنا ہوتا ہے ”رل“ کہتے ہیں کندھے اچکا کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر تیز چلنے کو، یہ چال دوڑنے سے کم ہوتی ہے لیکن رل کی یہ سنت صرف مردوں کے لئے ہے، عورتوں کی چال اور رفتار اپنے معمول کے مطابق رہے گی۔

عورتوں کے لئے ”اضطباع“ نہیں

اسی طواف قدوم میں مردوں کو اضطباع کرنا ہوتا ہے، اضطباع کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ احرام کی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں سروں کو بائیں کندھے پر ڈال لینا، یہ اضطباع صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں، کیونکہ اضطباع میں دائیں کندھے کو کھولنا پڑتا ہے، دوسرے یہ کہ عورت احرام میں چادر نہیں پہنتی بلکہ وہ تو اپنے معمول کا لباس پہنتی ہے، لہذا اضطباع کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، رل ہو یا اضطباع بہادری اور قوت کے اظہار کے لئے کئے جاتے ہیں اور یہ چیز عورتوں سے مطلوب نہیں۔

عورتوں کے لئے سعی میں دوڑنا نہیں

سعی کرتے وقت صفا اور مروہ کے بیچ میں میلین اخضرین (یعنی دوہری بتیوں) کے درمیان مردوں کو دوڑنا مسنون ہے، اس حکم میں بھی عورتیں شامل نہیں، جس طرح رل و اضطباع میں شامل نہیں ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر کا ایک قول ہے کہ: ”عورتوں کے لئے نہ تو طواف بیت اللہ کے وقت تیز چلنا یعنی رل ہے اور نہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی (تیز چلنا) ہے۔“ (۲)

اگر ساتھ چھوٹ جانے کا ڈر ہو تو مرد دوسری ہری بتی پر پہونچ کر وہاں رک عورت کا انتظار کر لے پھر بقیہ حصہ کی سعی اس کے ساتھ کرے، یا یہ کہ مرد زیادہ تیز نہ دوڑے بلکہ صرف تیز رفتاری سے چلے اور عورت پیچھے معمول کے مطابق چلے۔

(۱) فقہ النساء: ص ۳۷۲، وادّٰح المساکل: ص ۱۰۹-۱۱۰

(۲) بیہقی: ۸۴/۵

عورتوں کو سرکابال منڈوانا نہیں

حج اور عمرہ دونوں کے آخر میں مردوں کو بال منڈوانا یا کٹوانا ایک ضروری عمل ہوتا ہے، لیکن عورتوں کو بال منڈوانے کی اجازت نہیں ہے، ان کے لئے بال کٹوانا ہی کافی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”عورت کو اپنی ہر چوٹی سے انگلی کے پور کے برابر بال کاٹنا چاہئے، یا یہ کہ اپنے بالوں کو سر کے آگے اکٹھا کر کے کنارے سے انگلی کے ایک پور کے برابر کاٹے، عورتوں کو سرکابال منڈوانا نہیں ہے، ان کے ذمہ صرف بال چھوٹا کروانا ہے۔ (۱)

حائضہ عورت مسجد میں داخل نہ ہو

حیض و نفاس کی حالت میں عورتوں کو مسجد حرام، مسجد نبوی یا کسی اور مسجد میں جانا جائز نہیں ہے، البتہ ایسی عورتوں کو مسجد میں بغیر ٹھہرے ہوئے صرف گزرنا جائز ہے۔

حریم شریفین میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عورت اپنے شوہر یا محرم کے ساتھ اتفاقہ اس حالت میں حرم شریف تک چلی جاتی ہے۔ ایسی عورتوں کو چاہئے کہ حرم سے باہر کسی خاص جگہ پر بیٹھ جائیں اور مرد اندر داخل ہو کر نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر واپس آجائیں، بہر حال ان کے ساتھ یا تنہا ایسی عورت کو کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

حریم شریفین میں پردہ کا اہتمام

سفر ہو یا حضر، مسجد ہو یا بازار، حرم ہو یا غیر حرم، عورت کو ہر جگہ پردے کا پورا اہتمام کرنا چاہئے، حج کے ایام میں بعض عورتیں دوسروں کو دیکھ کر بسا اوقات پردے کا اہتمام نہیں کرتیں اور اس سلسلے میں غفلت برتی ہیں جس کی وجہ سے حریم شریفین جیسی مبارک جگہوں پر بے پردگی جیسا ماحول قائم ہو جاتا ہے جو بہت افسوس ناک بات ہے، حج جیسی مقدس عبادت کے لئے جانے والی عورتوں کو اپنے حج کے تقدس کا خیال رکھنا چاہئے اور ساتھ ہی اس لائق صدا احترام سرزمین کی عظمت و منزلت کا بھی۔ محرم کا ساتھ ملنے پر ہی عورت پر حج فرض ہوگا

حج فرض ہونے کے لئے استطاعت کی شرط ہے اس کی تفصیلات حج کی کتابوں میں موجود ہیں، یہ استطاعت مرد و زن دونوں کے لئے شرط ہے، البتہ عورت کے لئے محرم کا ساتھ ہونا استطاعت میں داخل ہے، اگر عورت ہر حیثیت سے حج کی استطاعت رکھتی ہے مگر اسے سفر حج کے لئے کسی محرم کا ساتھ نہیں مل رہا ہے تو ایسی عورت مستطیع نہیں مانی جائے گی اور اس پر حج فرض نہیں ہوگا۔

ایسے ہی عورت اگر عدت کے اندر ہے تو وہ بھی غیر مستطیع کے حکم میں ہوگی اور جب تک عدت سے نکل نہیں جاتی اس پر

حج کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ (۲)

(۲) الحج للکتاب و التور عبد اللہ بن محمد الطیار: ص ۳۲-۳۳۔

(۱) البداء و الحدیث نمبر ۱۹۸۴، ۱۹۸۵، صحیح الجامع، حدیث نمبر ۵۴۰۳

محرم کون ہے؟

محرم سے مراد شوہر ہے یا وہ شخص جس سے اس کا نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو، مثلاً: باپ، بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، شوہر کا باپ، وغیرہ۔

لہذا، بہنوئی، پھوپھا اور خالو وغیرہ محرم نہیں کیونکہ ان سے نکاح کی حرمت ابدی نہیں ہے کیونکہ یہ اگر اپنی موجودہ بیوی کو طلاق دے دیں تو اس عورت سے نکاح کر سکتے ہیں جس کے یہ پہلے بہنوئی، پھوپھا اور خالو تھے، لہذا یہ محرم نہیں ہوئے۔ اگر کسی عورت نے محرم کی رفاقت کے بغیر ہی حج کر لیا تو اس کا حج ہو جائے گا، البتہ محرم کی رفاقت کے بغیر سفر حج کرنے کا عورت پر گناہ ہوگا۔ (۲)

حج کے لئے شوہر کی اجازت

اگر عورت صاحب استطاعت ہے اور اس کے اوپر حج فرض ہو چکا ہے تو فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے اپنے شوہر سے اجازت طلب تو کرے گی، لیکن اگر شوہر اجازت نہ دے تب بھی وہ حج کے لئے جائے گی اور شوہر کو اسے روکنے کا حق حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ یہ واجبی عبادت ہے، جس طرح شوہر عورت کو فرض نماز و روزہ سے روکنے کا حقدار نہیں ایسے ہی فرض حج سے بھی نہیں روک سکتا۔

لیکن عورت اگر نفلی حج کرنا چاہتی ہے اور شوہر اجازت نہیں دیتا تو ایسی صورت میں عورت اپنے شوہر کے حکم کی پابندی کرے گی اور اس کی مرضی کے بغیر سفر حج پر نہیں جاسکتی۔ (۳) ☆☆ (جاری)

خریدارانِ محدث سے التماس

معزز قارئین کرام!

دارالتالیف جامعہ سلفیہ سے نکلنے والا آپ کا پسندیدہ مجلہ ”محدث“ آپ حضرات کے تعاون سے برسوں سے شائع ہو رہا ہے اور خلق کثیر اس سے مستفید ہو رہی ہے، لہذا تمام خریدارانِ محدث سے التماس ہے کہ جن حضرات کی مدتِ خریداری ختم ہو چکی ہے اپنے اشتراک نمبر (جو آپ کے ایڈریس چٹ پر موجود ہے) کے ساتھ بقایا اور تجدید کے لئے رقم ضرور ارسال فرمائیں۔

مجھے قوی امید ہے کہ دینی و اخلاقی نقطہ نظر سے بھی آپ کا تعاون ملے گا تاکہ ہم محدث کو برابر جاری

(ادارہ)

رکھ سکیں، والسلام

عشرہ ذوالحجہ کے فضائل و اعمال

ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد

اللہ تعالیٰ نے چونکہ ہر انسان کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے، اس لئے اسے چاہئے کہ وہ ہر لمحہ اس کی منشا کے مطابق گزارے اور اس کی عبادت کے ذریعہ اس کے تقرب کے لئے کوشاں رہے، تاہم اللہ تعالیٰ نے بعض مبارک مواقع ایسے بھی عطا کئے ہیں کہ جن میں انسانوں کو اس کی عبادت کے لئے کمر بستہ ہونا چاہئے اور مختلف و متنوع اعمال صالحہ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ان مبارک مواقع میں سے ایک موقع عشرہ ذوالحجہ کا ہے، یہ وہ ایام ہیں جن کے افضل الايام ہونے کی شہادت رسول پاک ﷺ نے دی ہے اور ان میں نیک عمل کی بڑی تاکید فرمائی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن مجید میں ایک مقام پر ان ایام کی قسم بھی کھائی ہے۔

فرمایا: ﴿والفجر ، وليال عشر﴾ (الفجر: ۱-۲) ”قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی“۔
جمہور مفسرین کے نزدیک دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں، اور علامہ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اس رائے کو صحیح کہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ان ایام کی قسم کھانا ہی ان کی عظمت اور فضیلت کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ عظیم باری تعالیٰ کسی عظمت والی شے کی ہی قسم کھاتا ہے۔

لہذا اللہ کے بندوں کو بھی چاہئے کہ وہ ان ایام میں اعمال صالحہ کے لئے خوب محنت کریں اور ان کی آمد کو اپنے لئے باعث شرف اور نیکی سمجھیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا وإن الله لمع المحسنين﴾ (العنكبوت: ۶۹)
”اور جو لوگ ہمارے دین کی خاطر کوشش کرتے ہیں ہم ان کو ضرور بالضرور اپنے راستے دکھادیں گے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے“۔

عشرہ ذوالحجہ کے فضائل

(۱) دنیا کے تمام ایام میں یہ ایام افضل ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(أفضل أيام الدنيا أيام العشر يعني عشر ذى الحجة، قيل: ولا مثلهن في سبيل الله؟ قال ولا مثلهن في سبيل الله إلا رجل عفر وجهه في التراب) . [رواه البزار وابن حبان وصححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب: ۱۱۵۰]

”دنیا کے سارے ایام کے مقابلے میں دس ایام (یعنی عشرہ ذوالحجہ) سب سے زیادہ افضل ہیں، آپ سے استفادہ کیا گیا کہ اگر اتنے ہی دن جہاد فی سبیل اللہ میں گزارے جائیں تو وہ بھی ان کے برابر نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ میں گزارے ہوئے دن بھی ان جیسے نہیں سوائے اس شخص کے کہ جوشہید ہو جائے۔“

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(ما من أيام العمل الصالح فيها أحب إلى الله من هذه الأيام يعني أيام العشر، قالوا: يا رسول الله ! ولا الجهاد في سبيل الله ؟ قال: ولا الجهاد في سبيل الله إلا رجل خرج بنفسه وماله، ثم لم يرجع من ذلك بشيء) . [واللفظ له، والبخاري بمعناه: ۹۶۹]

”عمل صالح کے لئے یہ ایام (یعنی ماہ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن) اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بھی (اتنا محبوب) نہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بھی اتنا محبوب نہیں، سوائے اس کے کہ انسان اپنی جان و مال کے ساتھ نکلے اور پھر کسی بھی چیز کے ساتھ واپس نہ لوٹے۔ یعنی مال بھی اللہ کے راستے میں خرچ کر ڈالے اور خود بھی شہید ہو جائے، تو یقیناً اس کا عمل زیادہ محبوب ہوگا ورنہ اس کو چھوڑ کر باقی تمام اعمال اللہ تعالیٰ کو ان ایام میں زیادہ محبوب ہوتے ہیں۔“

ایک اور روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد یوں ہے:

(ما من عمل أزكى عند الله ولا أعظم أجرا من خير يعلمه في عشر الأضحى) .
”وہ خیر کا عمل جو قربانی کے عشرہ میں کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے زیادہ پاکیزہ اور اس سے زیادہ اجر والا عمل کوئی نہیں۔“

پوچھا گیا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، سوائے اس شخص کے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ نکلے، پھر مال بھی قربان کر دے اور اپنی جان بھی۔“

راوی حدیث کہتے ہیں کہ اس حدیث کی بناء پر سعید بن جبیرؓ جب عشرہ ذوالحجہ شروع ہوتا تو عبادات میں اتنی محنت کرتے کہ اس جیسی عبادت کرنا دوسروں کے لئے مشکل ہو جاتا۔ (صحیح الترغیب والترہیب للالبانی: ۱۱۴۸)
لہذا ہمیں بھی سلف صالحینؓ کے اسی طرز عمل کو اختیار کرتے ہوئے اس عشرہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے،

کیونکہ کسی عمل خیر پر اس کے کرنے والے کو جو اجر و ثواب اللہ تعالیٰ اس عشرہ میں عطا کرتا ہے وہ اس حدیث کے مطابق کسی اور عشرہ میں عطا نہیں کرتا۔

(۲) انہی ایام میں یوم عرفہ بھی ہے

جی ہاں، یوم عرفہ جو حج کا اصل دن ہے اور اسی میں حج کا سب سے بڑا رکن (وقوف عرفہ) ادا کیا جاتا ہے وہ بھی انہی دنوں میں آتا ہے، وہ عظیم دن کہ جس میں اللہ تعالیٰ اہل عرفات کے لئے عام مغفرت کا اعلان کرتا ہے اور اس میں سب سے زیادہ اپنے بندوں کو جنہم سے آزادی عطا کرتا ہے، اس بناء پر اگر ایام عشرہ ذوالحجہ میں سے کسی دن کو کوئی فضیلت نہ ہوتی تو صرف یوم عرفہ ہی ان سارے ایام کی فضیلت کے لئے کافی ہوتا۔

(۳) انہی ایام میں یوم نحر بھی ہے

بعض علماء کے نزدیک یوم نحر (قربانی کا دن) سال کے تمام دنوں سے افضل ہے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: (أَعْظَمُ الْأَيَّامِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمُ الْقَرِّ)۔

”اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باوقار اور عظمت والا دن یوم نحر (یعنی دس ذوالحجہ کا دن) ہے، پھر اس کے بعد (منیٰ میں) ٹھہرنے کا دن (یعنی گیارہ ذوالحجہ) ہے۔“ (ابوداؤد والنسائی، صحیحہ الالبانی)

(۴) ان ایام میں متعدد اہم ترین عبادتیں جمع ہوتی ہیں

علامہ ابن حجرؒ فتح الباری میں یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ:

(والذى يظهر أن السبب في امتياز عشر ذي الحجة لمكان اجتماع أمهات العبادات فيه وهي الصلاة والصيام والصدقة والحج، ولا يتأتى ذلك في غيره)۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۶۰)

”عشرہ ذوالحجہ کی امتیازی فضیلت کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساری اہم ترین عبادتیں اس عشرہ میں جمع ہو جاتی ہیں اور وہ ہیں: نماز، روزہ، صدقہ اور حج۔ اس کے علاوہ دیگر مناسبتوں میں یہ ساری عبادتیں اس طرح جمع نہیں ہوتی ہیں۔

عشرہ ذوالحجہ کے مستحب اعمال

قارئین محترم! جب آپ یہ سمجھ گئے کہ عام ایام کی بہ نسبت عشرہ ذوالحجہ میں عمل صالح کی بڑی فضیلت ہے تو اللہ تعالیٰ نے جو سنہری موقع عطا کیا ہے اس کو غنیمت جانیں اور عشرہ ذوالحجہ کا خصوصی اہتمام کریں، یہ حسین فرصتیں اور سازگار مواقع بار بار نہیں آیا کرتے، اس لئے ان ایام میں عبادت کی خوب کوشش کیجئے جیسا کہ ہمارے اسلاف ان مواقع کو گنواتے نہیں تھے اور اعمال صالحہ میں اپنی بے انتہا دلچسپی کا مظاہرہ کرتے تھے۔

ابو عثمان النہدیؒ کہتے ہیں:

”اسلاف کرام تین عشروں کی بڑی قدر کیا کرتے تھے، رمضان کا آخری عشرہ اور ذوالحجہ اور محرم کا پہلا عشرہ“۔
ان ایام میں جو جو اعمال مستحب ہیں اور جن کا تمام مسلمانوں کو خصوصی اہتمام کرنا چاہئے وہ یہ ہیں:
(۱) مناسک حج اور عمرہ کی ادائیگی:

عشرہ ذوالحجہ میں کئے جانے والے اعمال میں سب سے افضل عمل حج و عمرہ کے مناسک ادا کرنا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت مبارکہ کے مطابق حج بیت اللہ اور ادائے عمرہ کی توفیق دیتا ہے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنت ہی ہے۔
نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما، والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة. (متفق عليه)
”ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ اپنے درمیان کے (گناہوں) کے لئے کفارہ ہے، اور حج مبرور کا بدلہ سوائے جنت کے کچھ نہیں۔“

حج مبرور وہ حج ہے جو طریقہ نبوی کے مطابق کیا جائے اور جو تمام قسم کے گناہوں مثلاً ریا، جماع اور فسق و فجور والی باتوں سے بالکل پاک ہو اور سر اپانیک اعمال و کردار سے معمور ہو۔
(۲) روزہ رکھنا: روزہ بھی عمل صالح کی جنس سے ہے بلکہ اللہ کے نزدیک سب سے افضل اور محبوب اعمال میں سے ایک عمل ہے۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
(ما من عبد يصوم يوما في سبيل الله إلا باعد الله بذلك اليوم وجهه عن النار سبعين خريفا).
”جو شخص اللہ کی راہ میں ایک روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے چہرے کو جہنم سے ستر سال کی مسافت تک دور کر دیتا ہے“۔ (البخاری: ۲۸۴۰، مسلم: ۱۱۵۳)
یہ روزہ کی عمومی فضیلت اور جہاں تک عشرہ ذوالحجہ میں روزے رکھنے کا تعلق ہے تو رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی سے مروی ہے کہ:

(كان رسول الله ﷺ يصوم تسع ذي الحجة، ويوم عاشوراء، وثلاثة أيام من كل شهر).
”رسول اکرم ﷺ ذوالحجہ کے پہلے نو دن روزہ رکھتے تھے، اسی طرح یوم عاشوراء کا اور ہر ماہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے۔“ (ابوداؤد: الصیام باب فی صوم العشر: ۲۴۳۷، صحیحہ الالبانی)
اس بناء پر عشرہ ذوالحجہ یعنی اس ماہ کے پہلے نو دن روزہ رکھنا مستحب ہے۔

اور جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے کہ:

(ما رأيت رسول الله ﷺ صائما في العشر قط) ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشرہ ذوالحجہ میں کبھی روزے کی حالت میں نہیں دیکھا“۔ (مسلم: ۱۱۷۶)

تو اس کے بارے میں امام نووی کہتے ہیں:

”اس حدیث سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ عشرہ ذوالحجہ یعنی ذوالحجہ کے پہلے نو دن روزہ رکھنا مکروہ ہے، جبکہ علماء اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ ان نو ایام کا روزہ رکھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے بلکہ یہ تو نہایت درجہ مستحب ہے، خاص طور پر نو ذوالحجہ کا روزہ جس کی فضیلت میں کئی احادیث وارد ہیں، اس کے علاوہ صحیح بخاری میں رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ ”ان ایام میں عمل صالح اللہ تعالیٰ کو باقی تمام ایام کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہوتا ہے“۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ ان ایام میں آپ ﷺ نے روزہ نہیں رکھا، اس کا یہ معنی ہے کہ کسی بیماری کے عارضہ یا سفر وغیرہ کی بناء پر روزہ نہیں رکھا، اور ان کا یہ کہنا کہ انہوں نے آپ ﷺ کو ان ایام میں روزہ کی حالت میں نہیں دیکھا تو ان کے نہ دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ نے روزہ رکھا ہی نہیں، پھر امام نوویؒ نے ابوداؤد کی وہی حدیث بطور دلیل ذکر کی ہے جس کا تذکرہ ہم ابھی کر چکے ہیں“۔ (شرح النووی ص ۴۷ ج ۲ ص ۵۸)

جبکہ حافظ ابن حجرؒ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کے بارے میں کہنا ہے کہ شاید یہ اس لئے کہ آپ ﷺ بعض اوقات کسی عمل کو پسند تو کرتے تھے لیکن اس کی فرضیت کے خوف کی وجہ سے اسے ترک کر دیتے تھے، تو ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسے بھی فرضیت کے اندیشہ کی بناء پر چھوڑ دیا ہو۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۶۰)

بہر حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی جو بھی تاویل ہو نبی کریم ﷺ کا جو عمومی ارشاد ہے کہ ان ایام میں عمل صالح اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے تو اس میں روزہ بھی آتا ہے اور روزہ کے فضائل متعدد احادیث سے ثابت ہیں۔ واضح رہے کہ ایام عشرہ ذوالحجہ میں سے یوم عرفہ کے روزے کو آپ ﷺ نے خصوصی اہمیت دی ہے اور اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

(صوم يوم عرفه أحسن على الله أن يكفر السنة التي قبله والتي بعده)۔ (مسلم: ۱۱۶۲)

”یوم عرفہ کے روزہ کے متعلق مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ پچھلے ایک سال اور آنے والے ایک سال کے گناہوں کے لئے کفارہ بن جائے گا“۔

لہذا نو ذوالحجہ (یعنی یوم عرفہ) کا روزہ رکھنا سنت ہے۔

(۳) نماز پڑھنا: نماز سب سے زیادہ عظمت اور فضیلت والا عمل ہے، اس لئے اسے پورا سال وقت کی پابندی اور

جماعت کے ساتھ ادا کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے، خصوصاً ان ایام میں فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ کثرت سے نوافل پڑھنا اور ان کا اہتمام بھی کرنا چاہئے کیونکہ نوافل اللہ سے قریب کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص میرے دوست سے دشمنی کرتا ہے میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں، اور میرا بندہ سب سے زیادہ میرا تقرب اس چیز کے ساتھ حاصل کر سکتا ہے جسے میں نے اس پر فرض کیا ہے (یعنی فرائض کے ساتھ میرا تقرب حاصل کرنا ہی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔) اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کر لیتا ہوں، پھر جب میں اس سے محبت کر لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ذریعہ وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعہ وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعہ وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ذریعہ وہ چلتا ہے، (یعنی اس کے ان تمام اعضاء کو اپنی اطاعت میں لگا دیتا ہوں) اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور بالضرور عطا کرتا ہوں، اور اگر وہ میری پناہ طلب کرتا ہے تو میں یقیناً اسے پناہ دیتا ہوں۔“ (البخاری: ۶۵۰۲)

(۴) اللہ کا ذکر کرنا: ان مبارک ایام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہئے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(ما من أيام أعظم عند الله ولا أحب إليه العمل فيهن من هذه الأيام العشر، فأكثروا فيهن من التهليل والتكبير والتحميد) . (رواه أحمد: ج ۹ ص ۳۲۳ و ج ۱۰ ص ۲۹۶ وقال الأرنؤاط: صحيح)
”اللہ کے نزدیک نہایت عظمت والے اور محبوب دن ایام عشرہ ذی الحجہ کے مقابلے میں کوئی دن نہیں ہیں، اس لئے ان ایام میں لا إله إلا الله، الله أكبر اور الحمد لله جیسے اذکار کثرت سے کیا کرو۔“
اور ذکر اللہ کا اس سے بڑا فائدہ کیا ہوگا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

(يقول الله تعالى: أنا عند ظن عبدي بي، وأن معه إذا ذكرني، فإن ذكرني في نفسي ذكرتة في نفسي، وإن ذكرني في ملأ ذكرتة في ملأ خير منهم، وإن تقرب إلي بشبر تقربت إليه ذراعاً، وإن تقرب إلي ذراعاً تقربت إليه باعاً، وإن أتاني يمشي أتيته هرولة) .

”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس سے سلوک کرتا ہوں، اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ کسی جماعت میں

مجھے یاد کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اسے یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہوتا ہوں، اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہوتا ہے تو میں ایک کلا (دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے) اس کے قریب ہوتا ہوں، اور اگر وہ چلتا ہوا میرے پاس آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔“ (البخاری، التوحید، باب قول

اللہ ﴿و یحذر کم اللہ نفسہ﴾ : ۷۰۵، مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ، باب الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ : ۲۶۷۵)

اور جہاں تک ان کلمات کا تعلق ہے جن کے بار بار پڑھنے کا آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تو ان کے بڑے فوائد ہیں۔

حضرت ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(الطهور شطر الإیمان، والحمد لله تملأ المیزان، وسبحان الله والحمد لله تملأ (أو تملأ) ما بین السماوات والأرض) . (مسلم: ۲۲۳)

”پاکیزگی آدھا ایمان ہے، ” الحمد لله “ ترازو کو (اجر و ثواب سے) بھر دے گا، اور ” سبحان الله “ اور ” الحمد لله “ یہ دونوں کلمات زمین و آسمان کے درمیان خلاء کو (اجر و ثواب سے) بھر دیتے ہیں.....“۔

اس کے علاوہ ان کلمات مبارکہ کے مزید فوائد یہ ہیں:

(۱) یہ تسبیحات اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب کلام ہیں:

حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یعنی ”چار کلمات اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب ہیں، آپ پر کوئی حرج نہیں کہ ان میں سے جس سے چاہیں ابتداء کریں،

اور وہ ہیں: سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر۔“ (مسلم: ۲۱۳۷)

(۲) یہ تسبیحات رسول اللہ ﷺ کو بھی سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اگر میں سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر“ کہوں تو یہ مجھے ہر اس چیز سے محبوب

ہے جس پر سورج طلوع ہوا۔“ (یعنی دنیا کی ہر چیز سے)۔ (مسلم: ۲۶۹۵؛

(۳) جنت میں شجر کاری

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اسراء و معراج کی رات میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے کہا: اے محمد! اپنی امت کو

میری طرف سے سلام پہنچا دینا، اور انہیں آگاہ کرنا کہ جنت کی مٹی بہت اچھی ہے، اس کا پانی انتہائی میٹھا اور اس کی زمین بالکل

ہموار ہے۔ اور (سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر) کے ساتھ اس میں شجر کاری کی جاسکتی

ہے۔ (ترمذی: ۳۴۶۲، صحیحہ الالبانی)

اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شجرکاری کر رہے تھے کہ ان کے پاس سے رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا میں تمہیں اس سے بہتر شجرکاری نہ بتاؤں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم (سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا إله إلا اللہ، واللہ اکبر) کہا کرو، ہر ایک کے بدلے میں تمہارے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے گا۔ (ابن ماجہ: ۳۸۰۷، صحیحہ الالبانی)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر والعباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خطۂ زمین پر جو شخص بھی یہ کلمات کہے: لا إله إلا الله والله أكبر، وسبحان الله والحمد لله، ولا حول ولا قوة إلا بالله تو اس کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔“ (ترمذی: ۴۳۶۰، وحسنہ الالبانی)

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک درخت کے پاس سے گذرے جس کے پتے خشک ہو چکے تھے، آپ نے اپنا عصا اس کو مارا تو اس کے خشک پتے جھڑ گئے، پھر آپ نے ارشاد فرمایا: (إن الحمد لله وسبحان الله، ولا إله إلا الله، والله أكبر لتساقط من ذنوب العبد كما تساقط ورق هذه الشجرة).

”بے شک یہ کلمات (الحمد لله وسبحان الله، ولا إله إلا الله والله أكبر) بندے کے گناہوں کو ایسے جھاڑتے ہیں جیسا کہ اس درخت کے پتے جھڑ گئے ہیں۔“ (ترمذی: ۳۵۳۳، وحسنہ الالبانی)

(۶) اللہ تعالیٰ نے ان تسبیحات کو اپنے بندوں کے لئے چن لیا ہے اور ان پر بہت بڑا اجر و ثواب مرتب کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وابوسعید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”بے شک اللہ تعالیٰ نے کلام میں سے چار (کلمات کو) چن لیا ہے: سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله واللہ اکبر، لہذا جو شخص سبحان اللہ کہے اس کے لئے بیس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اور اس کے بیس گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اور جو شخص اللہ اکبر کہے اس کے لئے بھی اسی طرح، اور جو شخص لا الہ الا اللہ کہے اس کے لئے بھی اسی طرح، اور جو شخص اپنی طرف سے الحمد للہ رب العالمین کہے اس کے لئے تیس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے تیس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔“ (مسند احمد و مستدرک حاکم، صحیحہ الالبانی فی صحیح الجامع: ۱۷۱۸)

اپنی طرف سے الحمد للہ رب العالمین کہنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ کسی سبب کے بغیر الحمد للہ رب العالمین کہے تو اس پر اسے زیادہ اجر و ثواب ملے گا بہ نسبت اس کے کہ وہ کسی سبب کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے مثلاً کھانے پینے یا سونے سے

بیدار ہونے کے بعد۔

(۷) یہ تسبیحات ڈھال ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (خذوا جنتکم) اپنی ڈھال لے لو۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! دشمن سے بچاؤ کے لئے ڈھال جو ہمارے سروں پر آ پہنچا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، جہنم سے بچاؤ کے لئے ڈھال۔“

پھر آنحضور ﷺ نے فرمایا: (قولوا: سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا إله إلا اللہ، واللہ اکبر، فإنہن یأتین یوم القیامۃ منجیات ومقدمات، وھن الباقيات الصالحات)۔

”تم یہ کلمات پڑھا کرو: سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا إله إلا اللہ، واللہ اکبر، کیونکہ یہ قیامت کے دن (جہنم سے) نجات دہندہ اور (جنت کی طرف) آگے بڑھانے والے ہوں گے اور یہی باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔“ (الجامع، صحیح الالبانی فی صحیح الجامع: ۳۲۱۴)

(۸) یہ تسبیحات عرش کے ارد گرد اپنے پڑھنے والے کا ذکر کرتی ہیں:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کی بزرگی سے جو تم یاد کرتے ہو، یہ تسبیحات بھی ہیں: سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا إله إلا اللہ، واللہ اکبر، یہ عرش باری تعالیٰ کے ارد گرد گھومتی ہیں اور ان سے شہد کی مکھیوں کی آواز کی طرح ایک آواز آتی ہے جس میں وہ اپنے پڑھنے والے کا تذکرہ کرتی ہیں، تو کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کا تذکرہ کرنے والا بنے؟“ (ابن ماجہ: ۳۸۰۹، صحیح الالبانی)

(۹) تسبیحات میں سے ہر ایک صدقہ ہے

جیسا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگوں نے آپ سے کہا: اے اللہ کے رسول! (ذهب أهل الدثور بالأجور، یصلون کما نصلی، ویصومون کما نصوم، ویصدقون بفضول أموالهم)۔

یعنی ”مال والے لوگ اجر و ثواب لے گئے، وہ ہماری طرح نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، اور اپنے بچے ہوئے مالوں کے ساتھ صدقہ بھی کرتے ہیں۔“ (رواہ مسلم)

آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بھی صدقہ کرنے کا ذریعہ نہیں بنادیا؟ بے شک ہر (سبحان اللہ) صدقہ ہے، ہر (اللہ

اکبر) صدقہ ہے اور ہر (الحمد للہ) صدقہ ہے، اور ہر (لا الہ الا اللہ) صدقہ ہے، نیکی کا ہر حکم صدقہ ہے اور ہر برائی سے روکنا صدقہ ہے.....“۔ (مسلم: ۱۰۰۶)

ان کلمات مبارکہ کے ان عظیم فوائد کے پیش نظر ہمیں عام طور پر بھی اور خاص طور پر ان ایام میں بھی ان کو زیادہ سے زیادہ پڑھنا چاہئے۔

خاص طور تکبیرات کا تو اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: (وکان ابن عمر وأبو هريرة يخرجان إلى السوق في أيام العشر، يكبران وبكبر الناس بتكبيرهما). (البخاری: العیدین باب فضل العمل فی أيام التثريق) ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (ماہ ذی الحجہ کے) ان دس دنوں میں بازار نکل جاتے اور تکبیر کہتے رہتے، پھر دوسرے لوگ بھی ان کی تکبیر سن کر تکبیرات پڑھتے“۔

ان ایام میں عموماً جہری تکبیریں کہنا اور آواز زیادہ سے زیادہ بلند کرنا مستحب ہے، اور خصوصاً یوم عرفہ کی نماز فجر سے لیکر ۱۳ ذوالحجہ کی عصر کی نماز تک اس دوران ہر فرض نماز کے بعد جہر تکبیرات پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ یہ تکبیرات اجتماعی طور پر نہ پڑھی جائیں، اس لئے کہ یہ نہ تو اللہ کے نبی ﷺ سے منقول ہے اور نہ سلف صالحین کے عمل سے اس کا ثبوت ملتا ہے بلکہ اس کا سنت طریقتہ یہ ہے کہ ہر شخص انفرادی طور پر تکبیرات پڑھے۔

(۵) صدقہ کرنا: صدقہ کرنا بھی ان اعمال صالحہ میں سے ایک ہے جو ان دنوں میں مسلمانوں کے لئے مستحب ہیں، اللہ نے صدقہ کا تاکید حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خُلَّةٍ وَلَا شَفَاعَةٍ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (البقرة: ۲۵۴)

”اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ دو دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی اور نہ شفاعت، اور کافر ہی ظالم ہیں“۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ”ما نقصت صدقة من مال“۔ (رواہ مسلم)

”کسی مال کا صدقہ نکالنا اس مال کو گھٹاتا نہیں“۔

لہذا ہمیں خصوصاً ان ایام میں زیادہ سے زیادہ صدقہ کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام اعمال کی توفیق دے، آمین۔

آہ! استاذ محترم مولانا محمد عابد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

مولانا محمد مستقیم سلفی

یہ دنیا سرائے فانی ہے، یہاں سب کو آنا جانا لگا رہتا ہے، انبیاء و صلحاء اور اولیاء کرام آہستہ آہستہ یکے بعد دیگرے اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور جو باقی ہیں ان کو بھی ایک دن جانا ہے، جی قیوم تو صرف خدائے واحد کی ذات ہے، لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر دور میں بعض ایسی شخصیتیں گزری ہیں جو میدان تعلیم و تربیت میں موثر رہیں، انہیں نابغہ روزگار میں سے جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے قدیم استاذ مولانا محمد عابد صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت بھی تھی، جن کی تعلیمی و تربیتی و جماعتی خدمات آفتاب و ماہتاب کی طرح درخشاں و تابندہ ہیں۔

جب جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی تاسیس کے بعد تعلیم کا افتتاح شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نائب رئیس الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدينة المنورۃ (۱۳۳۰ھ = ۱۹۰۹ء - ۱۴۳۰ھ = ۱۹۹۹ء) کے نمائندہ خاص شیخ عبدالقادر رشیدیہ الحمد پروفیسر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے ۲۱ مارچ ۱۹۶۶ء مطابق ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ روز دوشنبہ کو فرمایا، پھر باقاعدہ تعلیم ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۶۶ء یوم دوشنبہ سے شروع ہوئی تو انجمن جامعہ رحمانیہ بنارس نے جامعہ رحمانیہ کے جن تین استاد کو جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کو عنایت فرمایا، ان میں ایک مولانا ممدوح بھی تھے، بقیہ دو استاد مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی (۱۹۱۶-۱۹۷۸ء) اور مولانا عبدالوحید رحمانی شیخ الجامعہ (۱۹۲۸-۱۹۹۷ء) تھے۔

مولانا ممدوح رحمہ اللہ نے انیاسی برس کی طویل عمر پا کر رحلت فرمائی ہے، آپ عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے، اس لئے آپ کی رحلت اچانک پیش آنے والا حادثہ نہیں، پھر بھی ۱۷ جولائی ۲۰۰۹ء مطابق ۲۳ رجب ۱۴۳۰ھ بوقت ۸ بجے دن آپ کی وفات کی خبر ملتے ہی دل و دماغ پر بجلی سی گری، اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، آپ میرے مشفق اساتذہ میں سے تھے، آپ کی وفات سے جو غم مجھے لاحق ہوا وہ بیان سے باہر ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے، آمین۔

آپ کو علوم حدیث کے ساتھ فقہ، اصول فقہ، علم المیراث و کلام اور فنون حکمت یعنی منطق و فلسفہ وغیرہ میں یدِ طولی حاصل تھا، اور فقہ حدیث میں ایک گونہ مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے، جیسا کہ آپ کے سیکڑوں فتاویٰ (۱) جو مختلف دینی مسائل پر

(۱) یہ فتاویٰ جامعہ سلفیہ بنارس میں موجود ہیں۔

مشتعل ہیں واضح ہے۔

آپ سنت نبوی کے شیدائی تھے، آپ کی عبادت سنت کے مطابق ہوا کرتی تھی، آپ شب زندہ دار بھی تھے، وضع و لباس میں سادگی، خاموش طبع، جذبہ تبلیغ سے سرشار، وعظ پر تاثیر مدلل اور سنجیدہ ہوا کرتے تھے۔
آپ کی تواضع، خاکساری، خوش طبعی و ملنساری، ضیافت و فیاضی اور خوش خلقی کو دیکھ کر ہر شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، آپ ہر کہ و مہ، دولت مند، غریب، علماء اور عوام سب کے ساتھ ایک طرح کا سلوک کرتے، اپنا کام خود کرتے، ناشتہ و چائے وغیرہ خود اپنے ہاتھ سے بناتے اور لوگوں کے سامنے پیش کرتے، اس سلسلہ میں کسی شاگرد وغیرہ کی مداخلت پسند نہیں کرتے، آپ کی مہمان نوازی عام اور زبان زد ہے۔

آپ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) ثنارس میں طلبہ کے مربی اور نگران بھی تھے، ہمارے طالب علمی کے دور میں وقتاً فوقتاً حاضری لیتے جو طالب علم غیر حاضر رہتا اس کو بلا کر تنبیہ کرتے اور کچھ نہ کچھ جرمانہ لگا کر فوراً وصول کر لیتے، جس کی وجہ سے طلبہ نہایت مستعدی سے نماز باجماعت ادا کرتے۔

نام و نسب: محمد عابد بن حبیب اللہ بن، جمائی بن کریم بخش۔

پیدائش: آپ موضع کندو بوٹہ ہیار پوسٹ سیکھو یا ضلع بلرام پور میں ۲۴/۸/۱۳۰۸ھ کو پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم: گاؤں کے مدرسہ جامعہ سراج العلوم میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۴ء میں کانپور کا سفر کیا اور وہاں پہنچ کر مدرسہ جامع العلوم پکا پور میں عربی کی پہلی جماعت میں داخلہ لیا، ایک سال وہاں مکمل کرنے کے بعد ۱۹۴۵ء میں دہلی کا سفر کیا اور دارالحدیث رحمانیہ میں جا کر عربی کی دوسری جماعت میں داخلہ لیا، اور پوری توجہ کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے کہ اچانک ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند و پاک کے موقع پر دہلی کے بھیانک فساد میں دارالحدیث رحمانیہ (۱) دہلی

(۱) دہلی میں آباد پنجابی برادری کے ایک نیک خصلت بزرگ حاجی کرم الہی ادھوڑی والے تھے، ان کے دو بیٹے تھے، ایک شیخ عبدالرحمن، دوسرے شیخ عطاء الرحمن، ان دونوں بھائیوں کی تجارت ایک ہی تھی، اللہ نے کافی دولت سے نوازا تھا، ان دونوں بھائیوں نے اپنی نجی مال میں سے ایک لاکھ روپے کے صرفہ سے مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ کو تعمیر کرایا اور پھر ان بزرگوں کے ذاتی خرچ پر یہ مدرسہ تادم آخر چلتا رہا۔

بعض لوگوں کے بیان کے مطابق دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا قیام مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم کے ایماء سے عمل میں آیا لیکن اس مرکز علم و فن کی بنیاد آپ کی حیات مستعار میں نہ پڑ سکی، اس لئے کہ آپ کی وفات ۱۳۳۶ھ میں ہوئی اور دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا قیام شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں عمل میں آیا، بہر کیف اس بیان کی صحت کو ہم تسلیم کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں آپ کی رہنمائی اس کے قیام کی اصل محرک ہوئی، جو آگے چل کر ملک میں تحریک اہل حدیث اور احیاء کتاب و سنت کا ایک مضبوط مرکز بن گیا، اور اس نے علم دین کی حفاظت کے لئے ملک میں اتنے جلیل القدر علماء پیدا کئے کہ جن سے تحریک اہل حدیث ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔

برباد ہو گیا، اور پولیس نے اس جامعہ کے صدر مدرس مولانا نذیر احمد رحمانی الملوئی رحمہ اللہ کو گرفتار کر کے جیل (۲) بھیج دیا، اور ذمہ داران دارالحدیث رحمانیہ پاکستان چلے گئے جس کی وجہ سے آپ وطن واپس آ گئے اور پورا سال گھر پر ہی گذرا۔

(۲) اگست و ستمبر ۱۹۸۴ء دہلی کا ہولناک انقلاب وہاں کے مسلمانوں کے لئے قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا، اس دہلی کے مسلمان جس مصیبت سے گزرے اس کا ایک مختصر سا خاکہ مولانا ابوالکلام آزاد (۱۳۰۵-۱۳۷۷ھ) کی کتاب ”انڈیا یٹس فریڈم“ یا اس کا ترجمہ ”ہماری آزادی“ (شائع کردہ جامعہ ملیہ دہلی) میں دیکھا جاسکتا ہے، دارالحدیث رحمانیہ دہلی بھی اس انقلاب سے محفوظ نہ رہ سکا۔

استاذ محترم مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی (۱۹۱۶ء-۱۹۷۸ء) لکھتے ہیں:

اگست ۱۹۸۴ء میں جب ملک تقسیم ہوا اور اس کے نتیجے میں دہلی کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹی تو اس زمانہ میں مولانا نذیر احمد رحمانی الملوئی (۱۳۲۳ھ-۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۰۶ء-۱۹۶۵ء) دہلی ہی میں تھے، مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا اٹھائیسواں سال شروع تھا، تعطیل کلاں کے بعد آپ مدرسہ پہنچ چکے تھے، ستمبر کے شروع ہی میں مختلف محلوں سے گڑبڑ کی خبریں ملنے لگیں، یہاں تک کہ ۶ ستمبر کو ۸ بجے شب میں خود مدرسہ پر جنوبی طرف سے ہندوؤں نے خشک باری شروع کی، مدرسہ کے لوگوں نے بھی اپنی مدافعت کی، دیر تک معرکہ آرائی رہی، مدرسہ کا پھاٹک بند تھا، آپ دوسروں کے ساتھ مدرسہ کی چھت پر تھے، اور وہیں سے مدافعت کر رہے تھے، غرہ بنگیر کی صداسن کرملیٹری پہنچ گئی، اس نے مدرسہ کے باہر ہی سے کئی مرتبہ اشک آور گیس چھوڑی، گولیاں چلائیں، مگر الحمد للہ کوئی زخمی نہیں ہوا، جب ہنگامہ فرو ہوا تو آپ عشاء کی نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے جو مدرسہ سے قریب مکر احاطہ سے باہر تھی، آپ کے ساتھ دو آدمی اور تھے، یہ لوگ نماز سے جوں ہی فارغ ہوئے مسنخ پولس پہنچ گئی اور اس نے مسجد کو گھیر لیا، اور آپ کو اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو گرفتار کر لیا، محلہ کے کچھ دوسرے آدمیوں کی بھی گرفتاری ہوئی، سب کو پولس لاری میں بیٹھا کر تھانہ پہنچایا، تھانہ والے شہر کے ہنگاموں کی وجہ سے اس قدر مصروف تھے کہ ان کو ان اسیران بلا کے متعلق مضابط کی کوئی کارروائی کرنے کی فرصت ہی نہ ملی، چنانچہ دوسرے دن ۸ بجے صبح کو ان لوگوں کے پتے وغیرہ لکھے گئے اور پھر یہ لوگ دوپہر کے بعد حوالات میں بند کئے گئے، سنا ہے کہ ۲۴ گھنٹے سے زیادہ حوالات میں رکھنے کا قانون نہیں ہے، لیکن یہ لوگ تین روز تک حوالات میں رہے، حوالات کی لمبائی زیادہ سے زیادہ ۴ روز اور چوڑائی ڈھائی گز رہی ہوگی، شہر میں برابر گرفتاریاں ہو رہی تھیں اور سب کو اس میں لاکر بند کیا جا رہا تھا، کمرہ بالکل بھر گیا، ۲۴ گھنٹوں میں صرف ایک مرتبہ صبح کے وقت قضائے حاجت کے لئے باہر نکالا جاتا تھا، پیشاب کے لئے ایک مٹی کی چھوٹی سی ناندھی ہوئی تھی، جو پیشاب سے بھر جاتی تھی تو سارا کمرہ گندہ اور متعفن ہو جاتا تھا، تین دن میں صرف ایک وقت حوالات کی جج و پکار کے بعد پولس نے انہیں چنے ابال کر کھانے کو دیا، طلبہ بیچارے صبح کے وقت جب کرفیو کھلتا تھا تو کچھ روٹیاں پہنچا جاتے تھے، مگر دوسرے حوالاتیوں کے گھروں سے کچھ نہیں آتا، اس لئے وہ سب بیچارے بھی بھوکے تھے، انہیں چند روٹیوں کے ٹکڑے بانٹ کر تسکین کر لیا کرتے تھے۔

ایسی گندی اور بدبودار جگہ میں آپ کو لیٹنے کی ہمت نہ ہوتی، جب نیند کے غلبے سے مجبور ہو جاتے تھے تو ایک کونے میں ٹیک لگا کر سہارا لے لیا کرتے تھے اور کچھ دیر تک غفلت ہو جاتی تھی، حوالاتیوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اس سے پہلے جیل جا چکے تھے اور وہاں کی زندگی کا تجربہ رکھتے تھے انہوں نے آپ سے کہا کہ مولوی صاحب تھانیدار سے کہئے کہ ہم لوگوں کو جیل بھیج دیا جائے وہاں آرام رہے گا، چنانچہ سب لوگوں نے اتفاق اور باصرار مطالبہ کیا کہ ہم لوگوں کو یہاں سے نکال کر جیل بھیج دیا جائے، اس کے بعد سب کو سنٹرل جیل بھیج دیا گیا۔

ایک مہینہ بعد جب عدالتیں کھلیں تو ان زندانیوں کا مقدمہ پیش ہوا، عدالت کے سامنے جب آپ لائے گئے تو اس نے آپ کا نام لیکر کہا کہ آپ پر چھ ہندوؤں کے قتل کا الزام ہے، اتنا کہہ کر عدالت خاموش ہو گئی اور آپ بھی چپ رہے، دو منٹ کی خاموشی کے بعد عدالت نے خود کہا: ”لیکن پولس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے“۔

اس لئے میں آپ کو بری کرتا ہوں، ہتھکڑیاں کھول دی جائیں، چنانچہ آپ کے ہاتھوں کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں اور مجسٹریٹ کے اشارے پر آپ ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ (ماہنامہ السراج فروری، مارچ ۱۹۹۵ء)

حافظہ حیدر اللہ صاحب دہلوی حاتم وقت کی وفات پر علامہ نذیر احمد رحمانی ان کے محاسن بیان کرتے ہوئے اپنے متعلق خود لکھتے ہیں:

”پولس نے ہم پر تین قسم کے مقدمات دائر کئے تھے (یہ اس وقت کی بات ہے جب ستمبر ۱۹۸۴ء شوال ۱۳۶۳ھ میں دہلی کے خونیں ہنگامہ میں اپنے =

پھر لکھنؤ جا کر ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور عالمیت کا کورس مکمل کر کے ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں سند حاصل کی، اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے اسی سال دارالعلوم دیوبند چلے گئے، اور مطلوبہ جماعت میں وہاں آپ کو داخلہ مل گیا، اور میڈی، متنبی، نور الانوار اور ہدایہ اولین وغیرہ پڑھی اور دو سال آپ نے وہاں گزارا، اور ابھی آپ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے کہ آپ کو خبر ملی کہ مولانا نذیر احمد رحمانی اموی (رحمہ اللہ) سابق صدر مدرس دارالحدیث رحمانیہ دہلی اس وقت جامعہ رحمانیہ بنارس میں آکر منصب تدریس پر فائز ہو چکے ہیں، آپ نے کسی طرح دارالعلوم دیوبند میں سال کی تکمیل کی اور رمضان المبارک میں گھر تشریف لائے اور پورا رمضان گھر گزار کر ۹ شوال ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس میں آکر دورہ حدیث میں داخلہ لیا اور دو سال یہاں رہ کر اپنی تعلیم مکمل کی اور رجب ۱۳۷۱ء مطابق اپریل ۱۹۵۲ء میں سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ مع تعین مدرسہ:

جامعہ سراج العلوم بوٹھیار کے اہم اساتذہ میں سے مولانا محمد یلین صاحب، مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی (۱۹۱۹ء-۱۹۸۲ء)، مولانا محمد یونس صاحب بوٹھیار۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے اساتذہ میں سے مولانا عبدالغفور بسکو ہری (۱۸۰۹ء-۱۹۷۹ء) مولانا نذیر احمد رحمانی اموی، شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (۱۳۲۷ھ-۱۴۱۴ھ) مولانا محمد بشیر مبارکپوری وغیرہم۔ دارالعلوم دیوبند کے اہم اساتذہ میں مولانا اعجاز علی قاسمی، مولانا عبدالجلیل قاسمی۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اساتذہ میں مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی، مولانا محبوب الرحمن ازہری، مولانا ابوالعرفان ندوی جو پوری، اور جامعہ رحمانیہ کے اساتذہ میں سے مولانا نذیر احمد رحمانی اموی، مولانا عبدالعزیز عمری وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ (جاری)



= علمی نشین دارالحدیث دہلی میں نماز پڑھنے گئے تھے تو پولس نے آپ کو اور آپ کے ساتھ اور تین آدمیوں کو گرفتار کر لیا تھا) ایک کیس کے متعلق تو ہمیں جیل میں بتایا گیا تھا کہ یہ خون کی ایسی شدید دفعہ ہے کہ اس میں ضمانت بھی نہیں ہو سکتی، لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ کامل ایک ماہ بعد جب عدالت میں میری پیشی ہوئی تو الزامات کے عدم ثبوت کی بنا پر پہلی ہی پیشی پر مجسٹریٹ نے ہمیں بری کر دیا، حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم مدرسہ رحمانیہ خود تو مع متعلقین پاکستان چلے گئے مگر مقتدمات کی پیروی کے لئے ان کے منشی عزیز احمد کچہری میں موجود تھے، وہیں کچہری میں ہمیں معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کو آج سے چار روز پیشتر حافظ حمید اللہ صاحب کی چالیس ہزار روپے کی ضمانت پر رہا ہونا چاہئے تھا، یہ سشن جج کے یہاں سے بڑی کوششوں کے بعد منظور کرائی جاسکی ہے، ضمانتی کاغذات اور چالان فارم پر جو پتے درج ہیں ان کے تھوڑے سے اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جیلر نے منظور نہیں کیا، اس وقت دہلی کے حالات اتنے خطرناک تھے کہ آج ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس وقت میں ایسے مسلمان کا ساتھی بن جانا جس پر چھ انسانوں کے قتل کا الزام ہو، بڑے دل و گردہ کا کام ہے، یہ واقعہ جہاں ہمارے حافظ صاحب کی پر خلوص محبت اور ہمدردی پر دلالت کرتا ہے وہاں ان کی زبردست جرأت ایمانی کا بھی پتہ دیتا ہے، یہ حافظ صاحب کا مجھ پر وہ احسان ہے جو میرے لئے ناقابل فراموش ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی مخصوص عنایات سے نوازے، ان پر اپنی رحمتیں برسائے اور آخرت کی تمام مشکلات آسان کر دے، آمین۔ (اخبار الحدیث دہلی ج ۱ نمبر ۳ ص ۶)

سرزمین دوآبہ میں وہابی تحریک کی سرگرمیاں وہابی تحریک کی بنیاد اور آغاز

(قسط: ۲)

صدیق احمد نقیس احمد
فاضل جامعہ سلفیہ

مجدد الف ثانیؒ

ہندوستان میں تجدید و احیاء دین کی توفیق الہی خاندان فاروقی کو ملی جس کی رگوں میں نہ صرف فاروق اعظم کا خون تھا بلکہ حمیت اسلام اور غیرت مسلمانی بھی انہیں وراثت میں ملی تھی۔ اٹھارہویں صدی عیسوی سے بہت پہلے اسی خاندان کے ایک چشم و چراغ نے علم حق بلند کیا تھا، اور بھنگی ہوئی انسانیت کو صراط مستقیم پر گامزن کیا، یہ مجدد الف ثانی سید احمد سرہندی رحمہ اللہ علیہ تھے۔ آپ مشہور مغل بادشاہ اکبر کے معاصر تھے۔ آپ چودہ شوال ۹۷۰ھ مطابق ۲۶/ جون ۱۵۶۲ء کو بمقام سرہند پیدا ہوئے، آپ کا اسم گرامی احمد، لقب بدرالدین ابوالبرکات تھا، خاندانی نسب خلیفہ دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ اکبر کے عہد میں تصوف کا زور تھا جو مکمل طور سے لوگوں کے ذہن و دماغ پر حاوی تھا، طریقت کو شریعت سے مقدم کر لیا گیا تھا، الحاد و بے دینی خود اکبر کی سرپرستی میں پرورش پا رہی تھی، سچے مسلمانوں کے لئے عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا، ایسی تیرگی کے دور میں شیخ مجدد سپیدہ سحر کے مانند نمودار ہوئے اور اسلام کے گرتے ہوئے علم کو سہارا دیا، لوگوں کو بتایا کہ رضائے الہی کا حصول شریعت کی پیروی پر موقوف ہے نہ کہ طریقت کی آغوش میں۔ شیعیت جسے اس دور میں بڑا فروغ مل رہا تھا، اس کے تار پود کو بکھیرنا شروع کیا، اس کے پاداش میں آپ کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا گیا جہاں آپ نے سنت یوسفی کو اپنایا اور ایک ہفتہ کی قلیل مدت میں قید خانہ کو اہل اللہ کا مرکز بنا دیا اور حیوان نما انسانوں کو انسانیت کا درس پڑھا دیا، مجبور ہو کر جہانگیر نے آپ سے معذرت کی اور رہا کر دیا، دین الہی اور تمام بدعتی رسومات سے اس نے توبہ کیا۔ شیخ مجدد رحمہ اللہ نے علماء سوء کو بھی آڑے ہاتھوں لیا، جنہوں نے بدعت حسنہ کو ایجاد کر رکھا تھا وہ اپنے تمام ایجاد کردہ کاموں کو بدعت حسنہ کا نام دے کر اعمال دین میں شمار کرتے تھے، آپ نے ”کل بدعة ضلالة“ فرما کر ان کی تردید کی اور فرمایا: ”لیت شعری من این حکموا

بحسن البدعة المحدثۃ فی الدین الکامل“۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی یہ تمام تر جدوجہد اور کوششیں انفرادی حیثیت کی تھیں، آپ نے بڑے پیمانہ پر کوئی عوامی تحریک قائم نہ کی، لیکن آپ کی یہ انفرادی تحریک نہایت معنی خیز اور کارآمد ثابت ہوئی، اس نے پہلی بار الحاد و بے دینی کے بڑھتے ہوئے طوفان کو روک دیا اور اسلام کے احیاء و تجدید کی ضرورت کا اعلان کر دیا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا ذکر اس لئے ضروری تھا کہ آپ ہندوستان کے پہلے شخص تھے جنہوں نے حق کا اعلان کیا اور اس سے بھی اہم وجہ یہ ہے کہ آپ کی تحریک بہت حد تک اس تحریک کے مماثل ہے جس کی بنیاد دوسری بعد آپ کے ہم نام سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی، حضرت مجدد ۱۰۳۴ھ میں وفات پائے، آپ کے بعد آپ کے بیٹے اور خلفاء نے اس عظیم ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ:

سرزمین ہند میں شجر جہاد سید احمد بریلوی کے ہاتھوں برگ و بار لایا، لیکن اس کی جڑیں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عہد سے گزر کر سید احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ سے ملی ہوئی ہیں، مجدد الف ثانیؒ نے صبر سے قید و بند کی مشقتیں جھیل لیں لیکن اکبر کی سیاسی و عسکری طاقت سے مقابلہ نہ کر سکے، اور جہاد فی سبیل اللہ کی آرزو دل میں لئے ہوئے رخصت ہو گئے، دوسری بعد شاہ ولی اللہ کے والد محترم اور خود انہوں نے انگریزوں کے مظالم اور مسلمانوں کی بے چارگی کو محسوس کیا، یہ حضرات اگرچہ مسلمانوں کی اقتصادی اور ذہنی حالت دیکھ کر علی الاطلاق علم جہاد بلند نہ کر سکے لیکن درپردہ جہاد کی حمایت کرتے رہے جیسا کہ مکتوبات اس کے شاہد ہیں۔ اور نگزیب کی وفات کے بعد حکومت اسلامی کو زوال سے بچانے کے لئے شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے آصفیہ خاندان کے بانی نظام الملک آصف جاہ کو ایک خط لکھا جس میں آپ نے انہیں جہاد کی ترغیب دی تھی۔ ۱

شاہ ولی اللہؒ نے بھی اپنے والد مکرم کی روش کو جاری رکھا اور درپردہ اسلامی حکومت کے مخالفین سے کشمکش رکھنے والوں کے لئے دعائیں اور حوصلہ افزائی کے کلمات سے نوازتے رہے، ایک خط سہارن پور کے فوجدار خاں زمان خاں کے نام لکھتے ہیں کہ: ”خدائے تبارک و تعالیٰ مجدد قانون شجاعت و دلاوری خاں عالی مرتبہ خاں زمان خاں کو مدت مدید تک اہل کفر کی مخالفت میں مظفر و منصور رکھے، فقیر ولی اللہ عفی عنہ سے بعد سلام مسنون کے واضح ہو کہ بندگان پھلت ۲ نے خاں رفیع القدر کی دلجوئی و تسکین کے لئے خطوط لکھے“۔ ۳ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے رائے ظاہر کی ہے کہ مرہٹوں کے خلاف احمد شاہ ابدالی

۱ تفصیل کے لئے رود کوثر ص: ۵۴۵ دیکھئے ۲ شاہ صاحب کا آبائی وطن

۳ رود کوثر ص: ۵۴۷

کو بلانے اور نجیب الدولہ کو اس کا شریک کرنے میں شاہ صاحب کا ہاتھ تھا، پانی پت کا میدان کا رزار حقیقت میں شاہ ولی اللہ صاحب کا سجایا ہوا تھا۔^۱ یہ مکتوبات شاہد ہیں کہ شاہ ولی اللہ اور ان کے والد محترم بھی علی الاعلان جہاد کے خواہش مند تھے، لیکن حالات کی ناسازگاری نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی، ہاں! شاہ صاحب نے علوم کلام اور اسلامی نظریات پر مجتہدانہ اور محققانہ مضامین لکھ کر اصلاح عقائد کی کوشش کی، اپنے ہم عصر علماء کے عقیدے کے برخلاف قرآن مجید کا فارسی ترجمہ کر کے لوگوں کو مذہبی و اعتقادی آزادی فراہم کی، ان کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اردو ترجمہ کئے، اس طرح نظریات و اعتقادات کی اصلاح فرما کر سیاسی جدوجہد کے لئے میدان ہموار کیا، شاہ صاحب کے نزدیک سلطنت اسلامیہ کا تنزل و انحطاط کا سبب شہنشاہی طرز حکومت کا نفاذ اور اجتہاد کا اختتام ہے، اور اسے بھی علماء کرام کی غفلت کا نتیجہ مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ انہیں دونوں علتوں نے مسلمانوں کی آزادی فکر و نظر کا خاتمہ کر دیا ہے۔^۲ چنانچہ آپ نے حتی الامکان اس کی اصلاح کی، لیکن آپ کی تحریک جہاد کی آرزو بھی دل ہی میں گھٹ کر رہ گئی، اخیر میں اپنے بیٹے شاہ عبدالعزیز کو امامت سونپ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

سرپرست و ہابی تحریک :

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے والد مکرم کے دیرینہ خواب کی تکمیل میں لگ گئے اور مسند رحیمہ سے دعوت الی اللہ میں مصروف ہو گئے، اور برابر ایسے مرد مجاہد کی تلاش میں رہے جو اس اصلاحی تحریک کا بار اٹھا سکے، آپ کے خاندان میں شاہ اسماعیل شہید اور داماد عبداللہ جیسے تبحر عالم متقی و پرہیزگار، صدق و صفا کے پابند اور باکمال شخصیت موجود تھیں، لیکن آپ کی نظر انتخاب ان پر نہ ٹک سکی، بالآخر ۱۸۱۶ء میں سید احمد بریلوی پھرتے پھرتے تحصیل علم کی غرض سے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کے مرید ہو گئے، پھر کیا تھا آپ کی دور بین اور حقیقت شناس نگاہ نے اس ہیرے کو ڈھونڈ ہی لیا جس کی آپ کو مدت سے تلاش تھی، ان کو آپ نے تمام مقتضی تحریک صفات کا جامع پایا، اور اپنے بھتیجے شاہ اسماعیل شہید اور داماد عبداللہ اور نواسے وجانشین شاہ محمد اسحاق کا ہاتھ آپ کے دست مبارک میں دے کر اس عظیم تحریک کا بار گراں آپ کے کندھوں پر رکھ دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب آپ والٹی ٹونک نواب حمید خاں کے یہاں تقریباً سات سال عسکری تربیت حاصل کر کے لوٹے تھے، یہی اس عظیم تحریک کا سنگ بنیاد تھا جو ہندوستان کی پہلی تحریک آزادی تھی، ۱۸۲۳ء میں شاہ عبدالعزیز نے جو اس تحریک کے سرپرست اعلیٰ تھے، سید صاحب کی قیادت میں دہلی سے باہر بیعت کے لئے پچاس افراد پر مشتمل دردمندان ملت کا قافلہ دہلی سے روانہ کیا، اور ساتھ ہی انہیں کو اپنا سیاہ عمامہ اور سفید قبائے اپنے دست مبارک سے پہنایا۔^۳

^۱ رود کوثر ص: ۵۴۸ ^۲ ہندوستان میں وہابی تحریک ص: ۴۸

^۳ تراجم علمائے حدیث بحوالہ موج کوثر ص: ۲۱

یہ تھا ہندوستان میں اس وہابی تحریک کا باقاعدہ آغاز جو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خواب کی تعبیر اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعلیمات کا ثمرہ تھا، جس کی آبیاری شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہوئی، اور سید احمد شہید و شاہ اسماعیل شہید اور ان کے رفقاء نے جسے اپنے خون سے سینچا، مولانا ابوالکلام آزادؒ ”تذکرہ“ میں لکھتے ہیں کہ اسلامی ہند میں بنائے تجریدی کی ابتداء حضرت مجدد سرہندی نے کی اور تعمیر و تزئین امام ولی اللہ دہلوی کے ہاتھوں ہوئی، مگر خاک و خون سے کھیلنا ”تمتہ دو دمان ولی الہی“ مولانا اسماعیل شہید کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔ ۱

اگرچہ شہیدینؒ جنگ بالا کوٹ میں کام آگئے لیکن مظلوموں اور آزادی کے متوالوں کے دلوں میں ایک ایسی آگ روشن کر گئے جس کی سوزش ۱۹۴۷ء تک محسوس کی جاتی رہی، علماء اور فقہاء کرام نے دین کی جو خدمتیں کی ہیں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن امام ابن تیمیہؒ کے علاوہ شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے میدان کارزار میں تلوار آزمائی کی ہو، یہ فضیلت تیرہویں صدی میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید اور ان کے جانباز رفقاء کو حاصل ہوئی۔ ۲

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

وہابی تحریک کی چند خصوصیات

سید احمد کا طریقہ محمدی:

سید احمد بریلویؒ نے اس زمانہ میں رائج طریقہ بیعت سے ہٹ کر ایک الگ طریقہ اپنایا آپ پہلے چشتیہ سہروردیہ اور نقش بندیہ طریقے پر بیعت لیتے پھر طریقہ محمدی پر جسے خود آپ نے ایجاد کیا تھا، بیعت لیا کرتے تھے، جس کی تشریح یوں کیا کرتے کہ شریعت کے دو پہلو ہیں باطنی اور ظاہری، باطنی پہلو روحانی راحت کے حصول کے لئے روح کی تربیت و تادیب سے تعلق رکھتا ہے اور مذکورہ صوفی طریقے ہی اس مقصد کے لئے استعمال ہوتے تھے، ظاہری پہلو انسان کے روزمرہ کی زندگی میں صحیح اور دینی کردار بجالاتا ہے، اور محمدی طریقہ اسی کا نگہداشت ہے، غلام رسول مہر اپنی کتاب سید احمد شہید میں رقمطراز ہیں: ”اس زمانہ میں بیعت کے تین طریقے رائج تھے، قادری، چشتی اور نقشبندی، لیکن سید صاحبؒ ان طریقوں کے علاوہ طریقہ محمدی میں بھی بیعت لیتے تھے، رام پور میں اس طریقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: طریقہ محمدی یہ ہے کہ زندگی کے ہر کام کو صرف رضائے رب العلمین کے لئے کیا جائے، بالفاظ دیگر ہر فرد آیت مبارکہ ”إِنْ صَلَاتِي وَنَسْكَی وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ کا عملی نمونہ بن جائے۔ ۳

غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

سید احمد شہیدؒ نے وہابی تحریک کے توسط سے جس دین کا پرچار کیا وہ کوئی نیا مذہب تھا؟ جیسا کہ بعض انگریز مصنف بالخصوص ولیم ہنٹر نے اشارہ کیا ہے، وہ بار بار وہابی تحریک کو ایک مذہب قرار دیتا ہے اور سید احمد شہید کو اس کتاب کا پیغمبر اور کتاب صراط مستقیم کو وہابیوں کا قرآن بتلایا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ تو وہابیت کوئی مذہب ہے اور نہ ہی سید صاحب نے کبھی پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے، اور نہ صراط مستقیم قرآن مقدس کے مرتبے کو پہنچ سکتی ہے، وہابی تحریک اسلام کے پاکیزہ رخ زیبا پر پڑ جانے والی گرد کو جھاڑنے والی اصلاحی تحریک ہے اور اس کا صاف و شفاف چہرہ عوام الناس کے سامنے پیش کیا ہے، سید احمد شہیدؒ ایک مبلغ اور صالح انسان تھے، اور صراط مستقیم قرآن مجید سے ماخوذ اور مستنبط مسائل کا ایک مجموعہ ہے جیسا کہ وہابی تحریک کی تعلیمات اس پر شاہد ہیں۔

وہابی تحریک کی تعلیمات:

حقیقتاً وہابی اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کی تعلیمات میں کوئی فرق نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ بعض چیزوں پر زیادہ زور دیتے ہیں ان میں چند یہ ہیں:

- ۱- توحید: خدا موجود بالذات اور تمام کائنات کا خالق ہے وہ اپنی صفات میں لاشریک ہے۔ روحانی بلندی اور نجات قرآن اور شریعت کے احکام کی پوری پوری بجا آوری میں مضمر ہے۔
- ۲- اجتہاد: مسلم کو جو حق تاویل دیا گیا ہے، وہابی اس کے قائل ہیں اور اس پر عمل کرنے کی مصلحت پر عمل کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ چاروں بزرگ اماموں (امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ) کے پیروکار عملاً اسی حق سے دستبردار ہو گئے ہیں۔ محمد بن عبدالوہاب نے اس موضوع پر کئی رسالے لکھے ہیں جن میں اندھی تقلید کے حامیوں پر نکتہ چینی کی ہے۔
- ۳- شفاعت: وہابی کسی کے لئے کسی درمیانی واسطہ کی خواہ وہ کتنا ہی بلند پایہ پرہیزگار ہو، مقرب الہی سمجھا جاتا ہو، شفاعت کے عقیدہ کے قائل نہیں اور ان کے نزدیک ہر شخص مختار ہے کہ وہ کسی واسطہ کے بغیر اللہ کی عبادت کرے۔
- ۴- بدعت: وہابی دور حاضر کے ان تمام مذہبی اور سماجی اعمال و رسوم کی مذمت کرتے ہیں جن کی شریعت میں کوئی نظیر یا جواز موجود نہیں، ان میں سب سے زیادہ قبر پرستی، پیروں کی تعظیم میں مبالغہ و افراط، شادیوں میں مہر کی انتہائی گراں رقوم و تقریبات وغیرہ وغیرہ۔ ۲

(جاری)



جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی ایک اہم میٹنگ

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے تعلیمی سال کے آغاز پر تعلیم و تربیت، نظام اور معیار تعلیم کو بہتر بنانے کے لئے ناظم اعلیٰ عبداللہ سعود صاحب حفظہ اللہ نے مورخہ ۱۱ شوال المکرم ۱۴۳۰ھ مطابق یکم اکتوبر ۲۰۰۹ء کو ایک میٹنگ طلب کی جس میں جامعہ کے اساتذہ کرام اور ذمہ داران شریک ہوئے۔

میٹنگ کی صدارت جامعہ کے نائب صدر جناب مولانا شاہد جنید صاحب سلفی مدظلہ العالی نے فرمائی اور جامعہ کے نائب ناظم مولانا عبداللہ زبیری صاحب بھی میٹنگ میں شریک ہوئے۔

حضرت مولانا عبداللہ سعود حفظہ اللہ ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس نے حمد و صلاۃ کے بعد مجلس کا آغاز کیا اور جامعہ کے مقام و مرتبہ کو واضح کرتے ہوئے تعلیم و تربیت کی اہمیت پر زور دیا اور نجی اور سرکاری اداروں میں ڈسپلن کا حوالہ دیتے ہوئے جامعہ میں بھی اس کی ضرورت کا احساس دلایا اور آخر میں حاضرین سے مطالبہ کیا کہ جامعہ کی ترقی کے لئے مفید مشوروں سے نوازیں اور خامیوں کی نشاندہی فرمائیں تاکہ ان کا ازالہ ہو سکے۔

اس میٹنگ کی قرارداد حسب ذیل ہیں:

۱- اس سال بھی متوسطہ اور ثانویہ درجات میں ٹیسٹ کا بندوبست کیا جائے۔

۲- سالانہ امتحان میں کتابوں کے پرچے صاحب مادہ اسناد کے علاوہ دوسرے اساتذہ یا جامعہ سے باہر بنوائے جائیں البتہ صاحب مادہ مدرس سے کہا جائے کہ مقدار خواندگی کی تعیین کر دے اور منہج تدریس بھی لکھ کر دے تاکہ اس کی روشنی میں سوالات بنائے جائیں، اس معاملہ کو لجنۃ الامتحان کے حوالہ کر دیا گیا کہ جیسا وہ مناسب سمجھے کرے۔

۳- ترقی اسباق کے لئے ایک فارم تیار کیا جائے جس میں تدریس و دعوت اور دیگر ذمہ داریوں کا تذکرہ ہو سکے، اسے مدرس پر کر کے ماہ بہ ماہ دے اور اسے ایک فائل میں جمع کیا جائے۔

۴- محدث اور صوت الامتہ کے لئے باصلاحیت اساتذہ کرام سے مضامین لکھنے کی گزارش کی جائے تاکہ دونوں پرچے بہ آسانی وقت پر نکل سکیں۔

۵- انشاء پر دازی کا ذوق رکھنے والے طلباء سے کہا جائے کہ محدث اور صوت الامتہ کے لئے مضامین لکھ کر صحافت کے ذمہ دار استاذ کے حوالے کریں اور نگراں استادان میں سے اچھے مضامین کو منتخب کر کے محدث کے ہر شمارے میں دے، اور تمام

طلباء کو رعایتی قیمت کے ساتھ محدث کی خریداری کا مکلف بنایا جائے۔

۶- منتظمین جامعہ کو چاہئے کہ کبھی کبھی بلا کسی اطلاع کے جامعہ پہنچیں اور اساتذہ کے ساتھ یا تنہا ہی اس کے شعبہ جات کا معائنہ کریں اور جہاں خامیاں نظر آئیں اس کی اصلاح کی کوشش کریں چنانچہ جامعہ کے نائب ناظم مولانا عبداللہ زبیری / حفظہ اللہ نے مطبخ اور اس سے متعلق امور کی نگرانی موقت طور پر اپنے ذمہ لی۔

۷- مسجد میں نماز کی حاضری کا اہتمام کیا جائے، اس کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی دارالاقامۃ میں گشت لگایا جائے۔

۸- تدریسی ذمہ داریوں کو حسب سابق امسال بھی انہیں حضرات کے ذمہ لگایا جائے جو پہلے سے انجام دیتے رہے اور اگر جزئی ترمیم کی ضرورت ہو تو ترمیم ممکن ہے۔

۹- شیخ الجامعہ اساتذہ کرام بالخصوص لجنۃ التعليم کے تعاون سے درپیش مسائل کا فیصلہ کرے اور ذمہ داران جامعہ سے مشورہ کر کے تنفیذ کرائے۔

۱۰- لجنۃ التعليم کی ذمہ داری ہے کہ جامعہ کے نصاب کے سلسلے میں غور و خوض کرے اور جو مواد طلباء کے حق میں مفید تر ہوں انہیں پڑھائیں۔

آخر میں ناظم اعلیٰ صاحب / حفظہ اللہ نے ذمہ داران جامعہ کا فیصلہ اساتذہ کرام کو سنایا کہ آج سے درج ذیل حضرات ذمہ دار منتخب کئے گئے:

شیخ الجامعہ	مولانا نعیم الدین صاحب مدنی
مفتی جامعہ	مولانا عبدالسلام صاحب مدنی
نائب مفتی جامعہ	مولانا علی حسین صاحب سلفی
مدیر الامتحانات	مولانا سعید میسور صاحب مدنی
لجنۃ التعليم کے ارکان درج ذیل ہیں:	

- ۱- مولانا عبدالسلام صاحب مدنی
- ۲- مولانا عزیز الرحمن صاحب سلفی
- ۳- ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب مدنی
- ۴- مولانا سعد اعظمی صاحب
- ۵- مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی

۱۱- بعض ذمہ داران کے معذرت کرنے پر ذمہ داران جامعہ نے ماہ بہ ماہ اساتذہ کرام کے ساتھ بیٹھنے اور مسائل کے حل کرنے کی یقین دہانی کرائی اور ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ ضروری امور کی تکمیل کے لئے معین وقت دینے کا بھی وعدہ کیا۔

صدر محترم کے دعائیہ کلمات پر میٹنگ ختم ہوئی۔ ☆ ☆ (ادارہ)

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ:
ایک مسلم خاتون نے حج کا ارادہ کیا، اس کے پاس اخراجات سفر حج کے لئے روپے بھی ہیں اور اس کی صحت بھی سفر کے لائق ہے، لیکن سفر حج پر ساتھ جانے والا کوئی محرم نہیں ہے، تو کیا یہ عورت محرم نہ ہونے کی وجہ سے حج پر نہیں جاسکتی ہے۔
قرآن وسنت کی روشنی میں مفصل جواب دے کر شکر یہ کاموقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون اللہ الوہاب وهو الموفق للصواب:

صورت مسئلہ میں واضح ہو کہ مذکورہ عورت کے پاس مال یعنی اخراجات سفر وصحت وتندرستی ہونے کے باوجود اس پر حج فرض ہی نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے ساتھ سفر حج پر جانے کے لئے اس کا کوئی محرم نہیں ہے، اور عورتوں کے لئے محرم کا ہونا بھی ”سبیل“ میں سے ہے، اور سبیل کی استطاعت وجوب حج کی ایک اہم شرط ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ رب العالمین نے فرمایا: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلاً﴾ (سورہ آل عمران: ۹۷)

اور کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ حج یا کسی اور مقصد کے لئے اپنے شوہر یا محرم کے بغیر سفر کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر، تسافر مسيرة يوم وليلة ليس معها حرمة“ (صحیح البخاری، کتاب التخصیر، باب فی کم یقصر الصلاة ح ۱۰۸۸، صحیح مسلم: کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم..... الخ، ج: ۱۳۳۹)

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایک دن و ایک رات کا بھی سفر محرم کے بغیر کرے۔ بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”لا یخلون رجل بامرأة إلا ومعها ذو محرم، ولا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم“ یعنی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے الا یہ کہ اس کا محرم اس کے ساتھ ہو اور نہ کوئی عورت محرم کے بغیر (کسی قسم کا کوئی) سفر کرے، یہ ارشاد رسول اللہ ﷺ سن کر ایک صحابی رسول نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میری اہلیہ حج کے لئے جانے کو بالکل تیار ہے اور میں نے اپنا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھوا دیا ہے، تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”فانطلق فحج مع امرأتك“ (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم..... الخ، ج: ۱۳۴۱، صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة..... الخ، ج: ۵۲۳۳، وجزء الصيد، باب حجر النساء ح ۱۸۲۲)

یعنی جاؤ تم اپنی اہلیہ کے ساتھ حج کرو

لہذا صورت مسئلہ میں مذکورہ خاتون اپنے ساتھ کسی محرم کے نہ ہونے کی وجہ سے سفر حج پر نہیں جاسکتی ہے۔

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم وأحكم

حررہ: ابو عفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدی

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس